آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر ناظر

جلد (۶) بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء نمبر (۳)

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ ۵ سالانہ ...

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۵۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ (۱) من ذاالذی ھو اسعد منک۔ ترجمہ۔ وہ کون ہے جو تجھ سے زیادہ سعادتمند ہے۔ (۲) ایک ہفتہ تک ایک بھی باقی نہیں رہیگا۔ (۳) ویل لکل ھمزۃ لمزۃ۔ ترجمہ۔ ہر ایک چغلخور اور عیب گیر پر لعنت ہے۔

۱۸۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ (۱) کل الفتح بعدہٗ۔ سب فتح اس کے بعد ہے۔ (۲) مظھر الحق و العلاء۔ کان اللّٰہ نزل من السّماء۔ ترجمہ۔ وہ حق اور غلبہ کا مظہر ہوگا گویا خدا آسمان سے اتریگا یعنی ایک نشان ظاہر ہوگا جو تمام فتوحات کا مجموعہ ہوگا گویا خدا آسمان سے اُتریگا۔ ۲۰۔ فروری ۱۹۰۶ء (۱) انّی مع الرسول اقوم و الوم من یلوم۔ ترجمہ۔ میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا۔ اور اس کے ملامت کنندہ کو ملامت کرونگا۔ (۲) پس پاشندہ ہجوم۔ (اڑھائی بجے بعد آدھی رات) افسوسناک خبر آئی ہے۔ فرمایا اس الہام پر ذہن کا انتقال بعض لاہور کے دوستوں کی طرف ہوا مگر یہ انتقال ذہن بیداری میں ہوا۔ الہام بھی شاید اس کے متعلق ہو۔ (۴) بہتر ہوگا کہ اور شادی کر لیں۔ فرمایا معلوم نہیں کہ کس کی نسبت یہ الہام ہے۔ ۲۵۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ (۱) "من الناس و العامۃ" یعنی من خواص الناس و العامۃ۔ یہ طاعون کی طرف اشارہ ہے کہ اس مرتبہ طاعون کے حملہ میں کچھ خاص لوگ بھی مرینگے جو معزز ہوتے ہیں یا سفید پوش ہوتے ہیں اور عام لوگوں میں بھی مری پڑیگی۔ (۲) لولا الاکرام۔ لھلک المقام۔ ترجمہ۔ اگر تیری عزت کا پاس نہ ہوتا۔ تو میں تمام قادیان کو ہلاک کر دیتا۔ اس الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیان میں سے بھی کچھ لوگ طاعون سے مریں گے اور یہ مرنا الہام انّہ اوی القریۃ کے منافی نہیں کیونکہ اوٰی سے مراد الہام الٰہی میں یہ ہے کہ آخر قادیان کے لوگ بچائے جائیں گے بکلّی استیصال نہیں ہوگا۔ ۲۶۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ تحفۃ الملوک۔ اس کے معنے ابھی نہیں کھلے۔ بہرحال ملوک سے اسکو کچھ نسبت ہے۔ ۲۳۔ فروری ۱۹۰۶ء۔ و ان یروا اٰیۃ یعرضوا و یقولوا سحرٌ مستمر۔ ترجمہ جب کوئی نشان دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ معمولی بات ہے کوئی خارق عادت امر نہیں یا کوئی فریب ہے۔ سیھزم الجمع و یولّون الدبر۔ ترجمہ۔ عنقریب لوگ بھاگ جائیں گے اور پیٹھیں پھیر لیں گے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ وقت آتا ہے کہ خدا کے نشانوں سے انکار کی بات نہیں رہیگی اور نشان پڑے زور سے کھلیں گے کہ منہ بند ہو جائیں گے۔ رؤیا میں گویا میں کہتا ہوں یا کسی نے کہا ہے کہ یہ جنازہ جا کر پڑھیں گے گویا کسی کا جنازہ ہے جو پڑھا جاویگا۔ لاتحزن انّ اللّٰہ معنا۔ ترجمہ غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے۔ کبھی دوست کو اس میں تسلی دیگئی ہے گویا میں تسلی دونگا۔ ۲۸۔ فروری ۱۹۰۶ء سخت زلزلہ آیا اور آج بارش بھی ہوگی۔ چنانچہ اسی دن بارش ہوگئی اور ۲۔ مارچ ۱۹۰۶ء کی بعد رات کو سخت زلزلہ آگیا جسکی خبر تمام اخباروں میں بھی چھپی ہے۔ ۲۔ مارچ ۱۹۰۶ء۔ روز شنبہ۔ (۱) انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس

ضرورت:- دفتر ریویو آف ریلیجنز کے لیے ایک انٹرنس تک تعلیم یافتہ ہوشیار محنتی کلرک کی ضرورت ہے۔ انگریزی میں خط و کتابت کر سکتا ہو۔ اگر پہلے کچھ تجربہ بھی رکھتا ہو تو بہتر ہے۔ تنخواہ حسب لیاقت دی جائے گی۔ تمام خط و کتابت بنام نائب ناظم میگزین قادیان۔ ضلع گورداسپور۔ ہونی چاہیے۔

دنیا میں جتنے بڑے بڑے مذاہب موجود ہیں وہ سب آخری زمانہ میں ایک مصلح۔ شفیع۔ مہدی یا مسیح کی آمد کے منتظر ہیں۔ اس انتظار کی بنا ان پیشگوئیوں پر ہے جو خود بانیٔ مذہب کے مُنہ سے نکلی ہوئی ہیں اور ابتک اصلی صورتیں یا کسی قدر بدلی ہوئی صورت میں مشہور چلی آتی ہیں اگرچہ بعض صورتوں میں یہ پیشگوئیاں مفصل اور واضح ہیں اور بعض حالات میں مجمل اور مبہم لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مختلف مذاہب میں جتنی پیشگوئیاں اس بارہ میں آئی ہیں وہ سب کی سب موعود مصلح کے نزول کے زمانہ اور مقام کے بارے میں باہم متفق ہیں۔ اور اگرچہ حقیقی اور واقعی طور پر مفصل اور واضح وہی پیشگوئی ہے جو بانیٔ اسلام علیہ الف الف صلوٰۃ والتحیات والسلام کے مبارک دہن سے نکلی ہوئی ہے۔ لیکن دوسرے مذاہب نے بھی جو نقشہ دیا ہے خواہ وہ کیسا ہی مجمل اور مبہم کیوں نہ ہو وہ بھی اسی نتیجہ پر ہمیں پہنچاتا ہے جس پر اسلامی پیشگوئیاں نہایت صفائی اور وضاحت سے دلالت کرتی ہیں۔ اولاً دربارہ وقت نزول کچھ ذکر کیا جاتا ہے اس موعود مصلح کے نزول کے وقت کے بارہ میں قریباً سب مذاہب کی پیشگوئیوں کا لب لباب یہ ہے کہ وہ "آخری دنوں" یا "آخری زمانہ" یا "زمانہ کے خاتمہ" پر نازل ہوگا۔ چنانچہ زردشتی پیشگوئی اس زمانہ کا نام "وقت کا خاتمہ" رکھتی ہے۔ یہودی اور عیسوی اور اسلامی پیشگوئیوں میں "آخری ایام" لکھا ہے۔ اور اہل ہنود میں اس زمانہ کا نام "کلجگ" رکھا ہے۔ ان تمام الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ زمانہ ہے جو آدم سے چھ ہزار برس بعد آنیوالا ہے۔ اور خود طبیعتیں بتا رہی ہیں کہ یہ وہی آخری دن ہیں جن کا وعدہ دیا گیا تھا۔ ان کے ماسوا ہر ایک مذہب میں اور بھی بعض علامات اور قرائن ایسے پائے جاتے ہیں جن سے یہ زمانہ معیّن کیا جاسکتا ہے۔ یہ تمام پیشگوئیاں اس امر میں متفق ہیں کہ پیغمبر آخر زمان کا نزول ایسے زمانہ میں ہوگا جبکہ دنیا پرستی اور طرح طرح کے مفاسد کی افواج ایسے زور شور سے جمع ہو جائیں گی جس کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں نہ گذری ہو۔ اور ہر ایک مذہب بیان کرتا ہے کہ موعود پیغمبر کے نزول کے ساتھ نیکی اور بدی اور خدا پرستی اور دنیا پرستی کے درمیان اسوقت ایک سخت خطرناک جنگ ہوگا اور آخر کار حق پرستی اور راستی کی افواج فتح پائے گی۔ چنانچہ زردشتی مذہب کی پیشگوئیوں کی رو سے

اس موعود مسعود کے نزول کے وقت شیطان قطعی اور آخری طور پر مغلوب ہو کر تباہ کیا جائیگا۔ اور دنیا ایک نیا رنگ اختیار کریگی۔ اور اس نئے دَور میں ابدی خوشی کی حکومت تمام دنیا پر قایم ہو جائے گی۔ اور شیطان اور اس کے چیلے چانٹے سب نیست و نابود ہو جائیں گے۔ اسی طرح عیسائیوں کی مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ "جب ہزار سال ہو چکیں گے شیطان اپنی قید سے چھوٹیگا۔ اور نکلیگا کہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں کونوں میں ہیں یعنی جوج و ماجوج کو فریب دے۔ اور انہیں لڑائی کیلئے جمع کرے۔ وے شمار میں سمندر کی ریت کی مانند ہیں۔ اور وے زمین کی وسعت پر چڑھ گئے۔ اور انہوں نے مقدسوں کی چھاونی اور عزیز شہر کو گھیر لیا۔ تب آسمان پر سے خدا کے پاس سے آگ اُتری۔ اور ان کو کھا گئی۔ اور شیطان جس نے انہیں فریب دیا تھا آگ اور گندھک کی جھیل میں ڈالا گیا" (دیکھو مکاشفہ ۲۰ باب ۸ تا ۱۰)۔ ایسا ہی ہندوؤں میں جو آخری زمانہ کا اوتار مانا جاتا ہے اُس کی نسبت یہی انکا اعتقاد ہے کہ "وہ ان سب کو برباد کردیگا جو شریر اور بدکار ہیں" اسی طرح اسلامی پیشگوئیوں سے بہت واضح طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ مسیح اور دجّال کے درمیان ایک جنگ عظیم ہوگا۔ بعض نادان لوگوں نے جنہوں نے اسلامی پیشگوئیوں کو بنظر غائر تو کیا سرسری نظر سے بھی مطالعہ نہیں کیا اس جنگ کو جسمانی جنگ سمجھا ہے۔ اور اپنے خون آشام دلوں کی ہوسیں نکالنے اور جہلا کو دھوکہ دینے اور اسلام سے دشمنی کا بزنگ دوستی اظہار کرنے کے ارادہ سے اس کی اصلیت پر ایک مکروہ پردہ ڈال رکھا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے ایک روحانی جنگ مراد ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسلامی عقاید کی رو سے ثابت ہے کہ مسیح علیہ السلام نے کہیں یہ تعلیم نہیں دی کہ وہ آپ ہی خدا اور خدا کا بروز تھے۔ بلکہ وہ یہی کہتے تھے کہ مَیں خدا کا ایک عاجز بندہ اور مخلوق ہوں۔ لفظ دجّال کا انگریزی میں انٹی کرائیسٹ ترجمہ کرتے ہیں اور اس کے لُغوی معنے ہیں مخالف مسیح۔ جبکہ حقیقی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ مسیح خدا کا ایک بندہ تھا تو جو لوگ یہ اعتقاد رکھنے والے ہیں کہ وہ "خدا" اور "خدا کا بیٹا" تھے وہی درحقیقت مخالف مسیح ہیں یعنی دجّال ہیں۔ اسی لیے اسلامی پیشگوئیوں میں جب موعودؑ کے پہلے کام کا ذکر کیا گیا ہے جو دفع شر ہے تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ دجّالی فتنہ کو دور کریگا۔ اور جب اس کے دوسرے کام کا ذکر کیا گیا ہے جو جلب خیر ہے تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ ایمان کو از دنیا میں لائے گا۔

ان تمام پیشگوئیوں سے متفقہ طور پر یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ آخری ایام جن میں مسیح موعودؑ کا ظہور ہوگا ان میں بدی کا بہت سخت غلبہ ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے سوائے اس بدی کی کیفیت کسی مذہب نے بیان نہیں کی۔ مگر عیسائی مذہب کی پیشگوئیوں سے بھی کسی قدر اس کا پتہ لگتا ہے۔ مثلاً جیسے مسیح کہتا ہے "جب ابن آدم آئیگا تو کیا دنیا پر ایمان پائے گا؟" اس سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں مسیح موعودؑ کا نزول ہوگا وہ خطرناک طور پر ایمانی زوال کا زمانہ ہوگا۔ ایسا ہی ۲ تمطاؤس ۳ باب میں لکھا ہے کہ "تو یہ جان رکھ کہ آخری دنوں میں بُرے وقت آویں گے۔ کیونکہ آدمی خود غرض زردوست۔ لاف زن۔ گھمنڈی۔ کفر کرنیوالے۔ ماں باپ کے نافرمانبردار۔ ناشکر۔ ناپاک۔ بیدرد۔ کینہ ور۔ تہمتی۔ بدپرہیز۔ بیرحم۔

نیکی کے دشمن۔ دغاباز۔ بے لحاظ پھولنے والے۔ خدا کے چاہنے کی بہ نسبت عشرت کے زیادہ چاہنے والے۔ اور دینداری کی صورت میں ہو کے اُس کی قدرت کا انکار کریں گے۔ تُو ایسوں سے دور رہ۔ کیونکہ ان میں سے وہ ہیں جو گھروں میں گھسا کرتے ہیں۔ اور ان چھچھوری رنڈیوں کو جو گناہوں تلے دبی ہیں۔ اور طرح طرح کی شہوتوں کے بس میں پھنس گئی ہیں۔ اور ہمیشہ تعلیم پاتی ہیں۔ اور سچائی کی پہچان تک ہرگز نہیں پہنچ سکتیں گرفتار کرتے ہیں" یہ تمام مفاسد معمولی قسم کے ہیں لیکن جس زور شور کے ساتھ جمع ہو کر اس زمانہ میں انکا غلبہ ہوا ہے جس کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔ اس سے یہ صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ کے نزول کا یہی زمانہ ہے۔ اسلامی پیشگوئیوں میں اس زمانہ کے خاص قسم کے فتنۂ عظیم کا ذکر بہت وضاحت سے اور کھلے طور پر آیا ہے۔ بعض پیشگوئیوں میں اس فتنۂ عظیم کا نام فتنۂ دجّال رکھا گیا ہے اور بعض میں صلیب پرستی کا غلبہ ظاہر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر اس بات کا ذکر کر آئے ہیں یہ دونوں نام ایک ہی فتنۂ عظیم کے ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف کے مطالعہ سے بیّن طور پر ثابت ہوتا ہے کہ صلیبی مذہب ہی ایسا دین ہے جو حضرت مسیح کی اصلی تعلیم کے سخت مخالف ہے۔ اس لیے آخری زمانہ جس میں نزول مسیح موعودؑ ہونا مقدر تھا اس کی سب سے بڑی اور پہلی علامت یہی تھی کہ مسئلہ تثلیث اور کفارہ جو صلیب پرستی کی روح رواں ہیں دنیا پر محیط ہو جائیں گے۔ یہ ایسی علامت ہے کہ جس میں کوئی غلطی واقعہ نہیں ہو سکتی کیونکہ موعودہ فتنہ کی حقیقت اسی سے منکشف ہوتی ہے جس زمانہ میں حضور سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اسوقت عیسائی مذہب میں اس جوش کا کچھ بھی اثر نظر نہ آتا تھا جو محض قیاس سے اس کے کسی آیندہ زمانہ میں غلبہ کی پیشگوئی کیجا سکتی۔ اور پھر اس کے بعد بھی مدت تک یہ مذہب اسی حالت میں پڑا رہا پھر اس آخری زمانہ میں جیسا کہ مقدر تھا اور پیشگوئیوں میں درج تھا صلیب پرستی کا دخان تمام قطعات عالم پر محیط ہو گیا اور ہر اقلیم میں جوق جوق مشنیں پھیل گئیں اور طرح طرح کے حیلوں سے دنیا کو اس باطل پرستی میں پھنسانیکے پھندے لگا دیئے گئے۔ صلیب پرستی کے مذہب کی گذشتہ تواریخ پر نگاہ ڈالنے سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ جو غلبہ اس نے اس زمانہ میں پایا ہے وہ کسی گذرے ہوئے زمانہ میں کبھی اسکو نصیب نہیں ہوا۔ اس لیے یہی وہ سب سے بڑا فتنہ ہے جس کے ساتھ مصلح موعود کو اس آخری زمانہ میں سابقہ پڑنا تھا۔ اور چونکہ یہ فتنہ ہر چہار اکناف عالم میں پھیل چکا ہے اس لیے یہی وہ آخری زمانہ ہے جس میں موعود نبی کا نزول مقدر تھا۔ اس سے بڑھکر بڑا فتنہ اور کونسا ہوگا کہ یسوع مسیح جیسے عاجز انسان کو خالق الارض والسمٰوات حیّ و قیوم قادر مطلق خدا مانا جاتا ہے۔ قرآن شریف سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے نام پر جو ایسی گندی تعلیم دنیا پر شائع کیجاتی ہے اسکی انکو کچھ بھی خبر نہ تھی جبکہ قرآن شریف جیسی مقدس شہادت موجود ہو تو مسلمانوں کے لیے اس بات کا سمجھنا کیسا آسان ہے کہ فتنۃ الدجّال سے مراد درحقیقت صلیبی مذہب کے باطل عقاید کا ہی دنیا پر پھیلنا ہے جو تمام دینی حقایق و معارف کے سراسر مخالف اور معارض ہے۔ قرآن شریف کی سورۃ المائدہ آیت ۱۱۷ میں مسیح کی تعلیم لکھی ہے کہ ما قلت لهم الا ما امرتني به ان اعبدوا الله ربي وربكم یعنی مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے میرے خدا میں نے ان لوگوں کو وہی بات

کہی جو تو نے مجھے امر کیا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ قرآن شریف سے تو مسیح کی تعلیم یہ نظر آتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھتے ہیں اور لوگوں کو خدائے واحد لاشریک کی عبادت کی تاکید کرتے ہیں۔ اور موجودہ عیسائی مذہب اسکو پیش کرتا ہے کہ وہ آپ ہی خدا تھا۔ اب مقام انصاف ہے کہ اگر یہ فتنہ عظیم دجالی فتنہ نہیں تو اور کونسا فتنہ ایسا ہوسکتا ہے جس کو دجالی فتنہ کہا جائیگا۔ اسلام میں تو یہ بات بہت کھول کھولکر بیان کی گئی ہے اور اس کے علاوہ اور بھی کئی علامات ایسی ہیں کہ جن سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ دجال کے فتنہ کے متعلق جتنی اسلامی پیشگوئیاں ہیں ان سب سے مراد عیسائی دین کے باطل عقاید کی اشاعت اور غلبہ ہے منجملہ ان امور کے ایک یہ امر قابل غور ہے کہ معتبر احادیث میں لکھا ہے کہ فتنہ دجال کے اثر سے بچنے کے لیے سورہ کہف کی پہلی دس آیات کو پڑھتے رہنا چاہیئے۔ جیساکہ عام طور پر ایک حکیم نسخہ سے مرض تشخیص کرسکتا ہے اسی طرح جس مرض کا علاج ان دس آیات میں کیا گیا ہے وہ مرض ان آیات کے پڑھنے سے معلوم ہوسکتا ہے جب ان دس آیات کو غور سے پڑھا جاتا ہے تو صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ ان آیات میں سب سے بڑا زور الوہیت مسیح کے ابطال پر دیا گیا ہے۔ جیساکہ کلام الٰہی کے ان فقرات سے ظاہر ہے۔ "وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا مالھم بہ من علم ولا لاٰبائھم کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا"

ترجمہ:۔ اور اُن لوگوں کو ڈرانے کیلیے جو کہتے ہیں کہ خدا نے بیٹا بنالیا۔ نہ انہیں اس بات کا کوئی صحیح علم ہے اور نہ ہی ان کے باپ دادوں کو کچھ پتہ ہے۔ ان کے منہ سے یہ بہت بڑی بات نکلی ہے۔ وہ سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں کہتے"

غرض ان آیات سے بھی یہی ثابت ہے کہ فتنہ الدجال سے مراد یہی صلیب پرستی ہے جس نے عاجز انسان کو خدا بنادیا ہے اگر عیسائی مذہب کے دلدادہ لوگ اس بات سے غصہ منائیں کہ انکے مذہب کو کیوں فتنہ الدجال کہا جاتا ہے تو یہ غصہ انکا بیجا ہے کیونکہ ہم تو یہ امر واقعہ بیان کررہے ہیں حقیقت میں رنج تو ہمارا بجا ہے کہ جب وہ ہم خدا کی توحید کے ماننے والوں کے سامنے ایک عاجز انسان کو خدا بیان کرتے ہیں جو ہر طرح سے انسانی خواص اور حالات کے ماتحت پیدا ہوا اور پرورش پائی۔ بلکہ توحید پر ایمان رکھنے والوں کو تو اس عقیدہ کے سننے سے بہت ہی رنج پہنچتا ہے۔ اور انکی پرلے درجہ کی دل شکنی ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ کہ مسیح ابن مریم خدا تھا ایسا دل شکنی کرنیوالا کفر ہے کہ جس سے بڑھکر اور کوئی دل شکن کفر کبھی بولا ہی نہیں گیا۔ اگر مسیح ہی خدا تھا تو پھر ساری انبیاءؑ کی تعلیمات باطل اور بیفایدہ ٹھہرتی ہیں۔ یہ تو ایسا بڑا باطل عقیدہ ہے کہ خود انجیل بھی اس کی تائید نہیں کرتی۔ کیونکہ جب کسی شخص نے مسیح کو کہا کہ "اے نیک استاد" تو مسیح اس بات سے بہت جھنجلایا کہ مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں ہوسکتا مگر وہ ایک ہی نیک ہے جو خدا ہے۔ یہ ایسی روشن بات ہے جس کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ مسیح "وہ ایک" نہ تھا۔ علاوہ بریں الفاظ "خدا کا بیٹا" کوئی ایسے مخصوص نہیں کہ صرف یسوع مسیح پر ہی بولے گئے ہوں۔ بلکہ یہ بائبل کا محاورہ ہے کہ اس میں ہر ایک نیک بندہ خدا پرست کو "خدا کا بیٹا" کہا گیا ہے۔ خود مسیح نے ہی اسکی تشریح کردی ہوئی ہے چنانچہ۔ یوحنا ۱۰-۳۳ میں لکھا ہے۔ "یہودیوں نے اُسے جواب دیا کہ ہم تجھے اچھے کام کیلیے نہیں

بلکہ اس لیے تجھے پتھراؤ کرتے ہیں کہ تُو کفر کہتا ہے اور انسان ہوکر اپنے تئیں خدا بناتا ہے۔ یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا کہ مَیں نے کہا تم خدا ہو؟ جبکہ اس نے انہیں جن کے پاس خدا کا کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو۔ تم اسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور جہان میں بھیجا کہتے ہو کہ تُو کفر بکتا ہے کہ مَیں نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں" یہاں صاف مذکور ہے کہ مسیحؑ نے اپنے لیے ان الفاظ کو دوسرے برگزیدوں کی طرح ہی بیان کیا ہے بلکہ کہا ہے کہ بعض دوسروں کو تو خدا کہا گیا ہے اگر خدا کا بیٹا کہلانے سے کوئی شخص خدا ہوسکتا ہے تو خدا کہلانے سے خدا کا بھی کوئی بزرگ سمجھنا پڑیگا۔ اگر مسیحؑ کی نسبت یہ الفاظ کوئی خاص معنے رکھتے تو اُسکا یہ بیان بالکل غلط اور عبث ہوتا۔ غرض یہ تمام باتیں ثابت کرتی ہیں کہ مسیح نہ اپنے آپ کو خدا سمجھتے اور نہ خدا بنائے جانے میں خوش تھے۔ اور آجکل صلیب پرست لوگ جو جبراً اُن کو خدا بنانے پر اتنا زور لگا رہے ہیں وہ اُن کی تعلیم اور منشا کے بالکل برخلاف کرتے ہیں اور یہی مخالفت فتنہ الدجّال کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ کیونکہ دجّال مسیح کے خلاف کارروائی کرنیوالے کا نام ہے۔

مسلمانوں میں جو پیشگوئیاں مسیح موعودؑ کے نزول کے متعلق ہیں ان سے پایا جاتا ہے کہ اُس کے نزول سے پہلے ایمان دنیا سے اُٹھ جائیگا اور جب وہ آئیگا تو دوبارہ ایمان کو قایم کریگا۔ اسی مضمون کی بعض پیشگوئیاں عیسائیوں کی کتب مقدس میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آخری زمانہ میں لوگوں کے دلوں سے ایمان گم ہوجائیگا اور تمام لوگ حُبّ دنیا کی طرف ہی جُھک پڑے ہوں گے۔ یہ امر بھی اُن معیاروں میں سے ایک مضبوط معیار ہے جس سے ثابت ہوسکتا ہے کہ نزول مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں کے ظہور کا یہی زمانہ ہے۔ غور کا مقام ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس میں تمام دنیا کے اکثر لوگ بلکہ تمام لوگ ہی خداپرستی اور دینداری کو ترک کر بیٹھے ہیں۔ خدا پر ایمان سلب ہوگیا ہے۔ اور جب دنیا ایسی غالب آگئی ہے کہ دین کی طرف سے غفلت اور بے پرواہی عام چھا گئی ہے۔ دہریت اور مادہ پرستی نے دلوں پر ایسا غلبہ پالیا ہے کہ کوئی پہلا زمانہ اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتا۔ اگرچہ اُن لوگوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جارہی ہے جو علی الاعلان دہریہ اور مادہ پرست کہلاتے ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں وہ بھی نرے ظاہری میں خداپرست ہیں اُن کے دل سچے ایمان اور اطمینان سے بالکل خالی اور معرا ہیں۔ دنیا کی محبت میں لوگ ایسے مجنون اور سرگردان ہورہے ہیں کہ نہ کسی سے خدا پر ایمان رکھنے والے کا پتہ لگتا ہے اور نہ کوئی منکر خدا کی تمیز ہوسکتی ہے بعضوں کے ہونٹوں پر ایمان کا نام گو جاری نظر آتا ہے۔ مگر وہ ایمان حلق سے نیچے اُترا ہی نہیں۔ حقیقت میں زمین پر سے ایمان بالکل اُٹھ گیا ہے۔ بلکہ جیسا کہ ہمارے مقدس نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا ہے کہ آخری زمانہ میں ایمان ثریا پر چلا جائیگا اور مسیح موعودؑ اس کو واپس لائیگا ایمان ثریا میں اُٹھ گیا ہے۔

ان کے ماسوا ایک اور قسم کے آثار عیسائی اور اسلامی پیشگوئیوں میں پائے جاتے ہیں جن سے مسیح موعودؑ کے نزول کے زمانہ کی شناخت ہوسکتی ہے۔ مگر دونوں مذہبوں کی پیشگوئیوں میں فرق اتنا ہے کہ عیسائی پیشگوئیاں جب

معمول کچھ مبہم سی ہیں۔ اور اسلام میں ان کا بہت واضح اور معین رنگ ہے چنانچہ انجیل میں لکھا ہے کہ مختلف ملکوں میں قحط اور مری پڑے گی۔ اور زلزلے آئیں گے۔ اور متی باب ۲۴ میں لکھا ہے کہ ان دنوں کی مصیبت کے بعد فوراً سورج اندھیرا ہو جائیگا۔ اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا" وغیرہ وغیرہ۔ تواریخ عالم اس بات سے لبریز ہے کہ دنیا میں ہمیشہ قحط اور مری پڑا کرتی ہے اور زلزلے آیا کرتے ہیں۔ اور کوئی سال خالی نہیں جاتا کہ جس میں سورج اور چاند کو گرہن نہ لگتا ہو۔ اگر مسیح کا کلام ان معمولی امور کو بیان کرنے تک ہی محصور ہوتا تو اسکو لغو اور مہمل ماننے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ مگر ان پیشگوئیوں کو پیشگوئیاں سمجھکر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس کلام سے مراد کوئی ایسے خاص قسم کے واقعات اور حوادث ہیں جو غیر معمولی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اسلامی پیشگوئیاں بہت واضح اور اجلیٰ ہیں جو نہ صرف ان نشانات پر روشنی ہی ڈالتی ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی کئی علامات بیان کرتی ہیں۔ جیسے متی نے لکھا ہے کہ سورج اندھیرا ہو جائیگا اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ بہت مجمل اور مہمل الفاظ ہیں۔ لیکن اسلامی احادیث میں آیا ہے کہ مہدی کے زمانہ کی ایک یہ علامت بھی ہوگی کہ اسوقت ماہ رمضان کی تیرھویں تاریخ کو چاند کو اور اٹھائیسویں کو سورج کو گرہن لگے گا۔ اور یہ ایک ایسی علامت ہوگی کہ جو دنیا میں اس سے پہلے کبھی واقعہ ہی نہیں ہوئی ہوگی۔ اور جسکو اپنے مطلب کے موافق بنا لینے پر کوئی انسان قادر نہیں ہوگا۔ اب یہ ایک ایسی واضح پیشگوئی تھی کہ جو اپنے ظاہری الفاظ میں نہایت صفائی کے ساتھ ۱۸۹۴ء میں پوری ہوئی۔ اس کے مطابق ہی ۱۳ تاریخ ماہ رمضان کو چاند کو گرہن ہوا اور ۲۸۔ تاریخ اسی ماہ رمضان کو سورج گرہن ہوا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے اصل الفاظ جو دار قطنی میں بروایت محمد الباقر بن زین العابدین درج ہیں ان لمھدینا آیتین لم تکونا منذ خلق السموات والارض ینکسف القمر لاول لیلۃ من رمضان و تنکسف الشمس فی النصف منہ ولم تخرج مثلہ البیھقی وغیرہ من المحدثین۔ ترجمہ۔ ہمارے مہدی کیلیے دو نشان ہیں جو کبھی کسی دوسرے کے لیے آفرینش دنیا سے ہی واقعہ نہیں ہوئے۔ اور وہ یہ ہیں کہ ماہ رمضان کے چاند کو گرہن لگنے والی راتوں میں سے پہلی رات چاند کو گرہن لگے گا اور سورج گرہن لگنے کے ایام کے نصف میں سورج گرہن ہوگا۔ اور اسی کی مانند بیہقی اپنی کتاب میں اور بعض دوسرے محدثین حدیثیں لاتے ہیں۔ ہمارے ناظرین غالباً اس بات سے واقف ہوں گے کہ سورج اور چاند کو گرہن لگنے کے لیے قدرت نے وقت مقرر کیے ہوئے ہیں۔ اور ان اوقات کے شمار کا انحصار قمری مہینوں پر ہوتا ہے۔ چاند کو گرہن اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ پورا مدور ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ۱۳۔۱۴۔۱۵ قمری مہینے کی تاریخیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن میں چاند کا دائرہ پورے طور پر گول ہوتا ہے۔ اور قانون الٰہی ایسا ہی ہے کہ ہمیشہ انہیں تین تاریخوں میں چاند کو گرہن ہوتا ہے انکے سوائے نہیں ہو سکتا۔ ان تاریخوں میں سے ۱۳ تاریخ پہلی تاریخ ہوتی ہے۔ اسی طرح سورج ہمیشہ قمری مہینے کی ۲۷۔۲۸۔۲۹ تاریخوں میں گرہن میں آتا ہے۔ اور ان تاریخوں کی درمیانی تاریخ ۲۸ ہوتی ہے پس

اس حدیث کے موافق ۱۳ ماہ رمضان چاند کے گرہن کیلیے اور ۲۸ ماہ رمضان مذکور سورج گرہن لگنے کیواسطے مقرر تھی۔ جو اسی کے مطابق واقعہ ہوگیا۔

اس کے علاوہ زمانہ نزول مسیح موعودؑ کی ایک اور علامت لکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ خطرناک طاعون اُس زمانہ میں پھیلکر لوگوں کو تباہ کریگی۔ اب غور کا مقام ہے کہ جس شدت کے ساتھ طاعون مسلط ہوکر اس ملک ہندوستان میں مخلوق کو ہلاک کر رہی ہے وہ اس بات کیلیے کافی گواہ ہے کہ یہی زمانہ آخری موعود زمانہ ہے۔ چالیس لاکھ سے زیادہ انسان اس مہلک وبا کا شکار ہو چکے ہیں۔ اگرچہ ہندوستان جیسے وسیع ملک کی آبادی کے سامنے یہ تعداد ۱/۲ حصہ کے قریب ہوتی ہے لیکن اگر اتنی تعداد انسانوں کی کسی دوسرے ملک میں بھیجی جائے تو اس سے وہ ملک ہی آباد ہو جائے جن جن علاقوں میں طاعون کا دور دوران ہوا ہے ان میں اکثر دیہات تو اس نے اسی طرح بالکل ویران کر دیئے ہیں کہ ان میں ایک متنفس بھی زندہ نہیں رہا۔ اور تمام در و دیوار لاوارث ہو گئے۔ اور بے شمار قریوں اور بستیوں میں ایسی تباہی ہوئی کہ آبادی کا دسواں حصہ بھی باقی نہ بچا۔ ابھی اسکا خاتمہ نہیں ہوا ابھی تو شروع ہی ہوئی ہے اور دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے تنزل کا نام تک نہیں آیا۔ خدا معلوم کیا کرکے رہیگی۔ اس خطرناک نشان کی رو سے بھی ثابت ہوتا ہی کہ زمانہ موعودہ یہی زمانہ ہے۔

اس کے علاوہ قرآن شریف میں وارد ہوا ہے کہ اس آخری زمانہ میں ایسے متواتر اور خطرناک زلازل ہوں گے کہ لوگوں پر ظاہر ہو جائیگا کہ وہ معمولی زلزلے نہیں۔ بلکہ غیر معمولی ہیں۔ اگرچہ ابھی تک وہ خطرناک زلزلہ جس کی طرف قرآن شریف کا خاص اشارہ ہے واقعہ نہیں ہوا جس کی نسبت لکھا ہے کہ زمین بہت خطرناک شدت سے جنبش دیجائیگی۔ لیکن ابتدائی زلزلے ہی جو رو داد ہو رہے ہیں ان کی شدت اور غیر معمولیت ایسی نمایاں ہو رہی ہے کہ تمام عالم کی توجہ انہیں کی طرف مبذول ہوگئی ہے۔ دنیا کے تمام باخبر لوگ اور اہل جراید اور اہل قلم اس بات پر متفق ہیں کہ یہ زلزلے دنیا میں غیر معمولی طور پر واقعہ ہوئے ہیں۔ چنانچہ پایونیر جیسے معتبر اخبار نے بھی کچھ عرصہ گذرا ہے کہ بہت صفائی کے ساتھ لکھا تھا کہ یہ ایسے شدید اور خطرناک اور تباہ کن زلزلے واقعہ ہوئے ہیں کہ جن کی مثال اگر ممکن ہوسکتی ہے تو شاید پہلی عیسوی صدی میں ہوگی۔ ورنہ تاریخ دنیا نظیر پیش کرنے سے ساکت ہے۔ اور حال میں ہی اخبار سول میں یہ لکھا گیا ہے کہ تمام سمجھدار آدمی یہ سوال کرتے ہیں کہ زمین کو کیا ہوگیا کیونکہ تاریخی زمانہ میں ایسے تباہی افگن زلازل کی کثرت اور کہیں نظر نہیں آتی۔ اس نشان کی رو سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ موعودہ آخری زمانہ یہی زمانہ ہے۔ اس کے ماسوا اس زمانہ کا یہ بھی ایک نشان لکھا ہوا تھا کہ مکہ معظمہ کا حج روکا جائیگا۔ اسی طرح اونٹ جو کہ باربرداری اور سواری کیلیے سب سے اعلیٰ درجہ کی سواری شمار ہوتی تھی اس کا معطل ہونا اور اس کی بجائے نئی قسم کی سواریوں کا ایجاد ہو جانا۔ دریاؤں کا پایاب ہونا اور کثرت سے نہریں بنائی جانا۔ علوم اور صحایف کا زور سے انتشار ہونا وغیرہ نشانات آخری زمانہ کے ہیں جس میں مسیح موعود کا نزول مقدر تھا۔ اور یہ سب نشانات پورے ہوگئے ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہی زمانہ موعودہ آخری زمانہ ہے

جس میں مسیح موعودؑ نے نازل ہونا تھا۔

ان تمام مذکورہ بالا نشانات کے علاوہ ایسی پیشگوئیاں بھی ہیں کہ جن کی رو سے زمانہ کے شمار کی بنا پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ کے نزول کا زمانہ شروع ہو گیا ہے۔ مسیح موعودؑ آخری زمانہ کا مرسل اور آدم ثانی کے ناموں سے بھی مخاطب کیا گیا ہے اور آدم اول سے آدم ثانی تک جو زمانہ گذر رہا ہے وہ چھ حصوں میں منقسم ہے۔ جو ہر ایک حصہ ایک ہزار سال کا ہوتا ہے پھر آدم ثانی کے نزول سے ساتواں ہزار شروع ہوگا یعنی ساتواں حصہ دنیا کے وقت کا شروع ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ کی ابتدا مسیح موعودؑ کے نزول کا زمانہ مقدر تھی۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی الہامی کتب میں اس آخری حصہ کے بارہ میں بہت ساری پیشگوئیاں ہیں۔ اگرچہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں اکثر امور میں باہم اتفاق نہیں۔ لیکن باوجود ان اختلافات کے ان تمام پیشگوئیوں میں یہ امر مشترک ہے کہ اس آخری دَور دنیا میں بدی کی طاقت قطعی اور آخری طور پر تباہ کیجائیگی۔ یہ امر عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں بڑے زور سے مانا جاتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس کی بنا کوئی سچی پیشگوئی ہے۔ ایسا ہی اہل مذہب زردشت بھی اسی قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں (دیکھو جیویش انسائیکلوپیڈیا ضمن مضمون بعنوان ملینیم) حقیقت میں یہ خیال ہر ایک مذہب میں ایسا شہرت یافتہ ہے اور ایسی مضبوط بنا رکھتا ہے کہ جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کیلئے مجبور ہیں کہ اس کی اصل سچی الہامی پیشگوئی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ قمری حساب کی رو سے حضرت آدم علیہ السلام سے آجتک چھ ہزار سال گذر چکے ہیں۔ اسلام میں یہ پیشگوئی اور بھی واضح الفاظ میں موجود ہے۔ چنانچہ قرآن شریف سورۃ السجدۃ میں لکھا ہے یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون۔ ترجمہ "آسمان سے زمین تک امر کا انتظام کرتا ہے۔ پھر یہ امر اس کی طرف ایک دن میں چڑھیگا جسکی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال ہوگی"۔ یہاں امر سے مراد دنیا کی اصلاح ہے کہ جس میں ایمان جو دنیا سے اٹھ گیا تھا دوبارہ زندہ ہوا۔ اور اس آیت کریمہ کی منشا یہ ہے کہ وہ ایمان جو دنیا پر دوبارہ قایم ہوا ہے اسپر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ وہ بھی دنیا سے رخصت ہو جائیگا اور آسمان پر اٹھا لیا جائیگا۔ صحیح احادیث میں لکھا ہے کہ راستی کا یہ غلبہ تین قرنوں تک رہیگا جو تخمیناً تین سو برس کے قریب ہوتی ہیں۔ یعنی حضرت سلطان الانبیاء شہنشاہ مرسلین سیدنا محمد مصطفےٰ صلعم کے بعد تین سو برس تک راستبازی کا دنیا پر غلبہ رہے گا۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا تاریکی کا زمانہ آئیگا جو ایک ہزار برس تک رہیگا جس میں شیطان کے زنجیر کھولے جائیں گے۔ اور بدی راستبازی پر غالب آ رہیگی۔ اس زمانہ کے لوگوں کو اصطلاح شرعی میں فیج اعوج کہا گیا ہے جس کے معنے ہیں بگڑی ہوئی جماعت۔ اس ایک ہزار سال کی ایک تاریک رات کے بعد جب دجالی فتنوں کا اثر حد نہایت کو پہنچ چکیگا اور لوگ گمراہ ہو چکیں گے۔ تو پھر صداقت کا آفتاب دنیا پر طلوع فرما کر اندھیرے کی افواج کو پسپا کریگا۔ اور نور و ہدایت کی شعاعوں سے عالم کو منور فرمائیگا۔ اس طرح گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرہ سو برس بعد مسیح موعودؑ کا ظہور ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ تیرہ سو برس گذر کر

ہجری سنہ چودھویں صدی شروع ہوگئی ہوئی ہے۔ اب ان دونوں حسابوں کے شمار کی رو سے یہی بات قرار پاتی ہے کہ نزول و ظہور مسیح موعودؑ کا یہی زمانہ ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کسی مامور و مرسل کے ظہور و نزول کے زمانہ اور اس کی صداقت کی معرفت کیلئے صرف ایسی پیشگوئیاں ہی اکیلا معیار نہیں۔ پیشگوئیاں عموماً استعارہ کے رنگ میں ہوتی ہیں۔ اور عوام الناس اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ وہ ان کے لفظی طور پر پورے ہونے کے منتظر رہتے ہیں۔ اور اس باعث سے سخت غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور نفس مطلب کو پانے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسلیے ہم نے اس بحث میں پیشگوئیوں کی تفصیل پر زور نہیں دیا۔ بلکہ ان کی تفصیل میں داخل نہیں ہوئے۔ ہم نے وہ موٹے امور بیان کرنے پر یہاں اکتفا کیا ہے جو مختلف مذاہب میں متفق علیہ ہیں۔ اور انہیں امور کا تذکرہ کیا ہے جو ہر مذہب میں قریباً ہم رنگ مانے جاتے ہیں۔ اور جو متفق علیہ ہونیکی وجہ سے حقیقی طور پر نفس امر کا مغز اور اصل اصول ہیں۔ اور دوسرے تمام امور ان کی تفاصیل اور تشریحات ہیں۔ آخری زمانہ کے مصلح کے ظہور اور نزول کے زمانہ کے متعلق ہم نے چند ایسے اصولی امور بیان کر دیئے ہیں جن پر ہر مذہب کو مشترک طور پر اتفاق ہے ہم نے ایسے امور کو ایا ہی نہیں جن میں اختلاف موجود تھا۔ اسی طرح اب ہم ذیل میں یہ امر دکھائیں گے کہ اس آخری مصلح کا ظہور و نزول پیشگوئیوں کی رو سے اسی ملک میں ہونا ضروری تھا یسعیاہ ۴۱/۲ میں مامور آخر زمان کے نزول کے متعلق لکھا ہے "کس نے اُس راستباز کو پورب کی طرف سے برپا کیا" اسی طرح مشہور و معروف فارسی مصلح زردشت موعود مصلح آخر زمان کے متعلق کہتا ہے کہ وہ مشرقی علاقہ میں ہی پیدا ہوگا۔ ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام بھی اپنی استعاروں اور تمثیل سے بھری ہوئی زبان میں یہی فرماتے ہیں کہ وہ موعودؑ پورب ہی میں نازل ہوگا۔ کیونکہ آپ نے کہا ہے کہ مسیح کا آنا بجلی کی چمکار کی طرح ہوگا جو مشرق میں چمکتی ہے جس سے صاف یہی پایا جاتا ہے کہ مسیح موعودؑ کا نزول مشرق ہی میں ہوگا۔ ایسا ہی حضور فخر موجودات سرور رسل محمد مصطفٰے صلعم نے مشرق ہی کی طرف اپنی مبارک انگلی سے اشارہ کرکے فرمایا کہ مسیح موعودؑ اور دجال کے درمیان اسی طرف سے جنگ شروع ہوگا۔ اور اسپر اور وضاحت سے فرمایا کہ مسیح موعودؑ ایک ایسی مقام میں نازل ہوگا جو دمشق سے مشرق کی سمت واقعہ ہے۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ ان تمام پیشگوئیوں میں مشرق پر اتفاق کے معنے کیا ہیں؟ اس کے متعلق ہم اتنا لکھنا چاہتے ہیں کہ عہد نامہ عتیق کی رو سے جو علاقہ دریائے دجلہ اور فرات سے پار سوپوٹامیہ آرمینیا اور ایران سے ورے واقع ہے وہ مشرق ہے۔ ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت رسول کریم محمد مصطفٰے صلعم کی پیشگوئیوں میں عرب اور شام سے مشرق کی طرف کے ممالک پر مشرق کا لفظ چسپاں ہو سکتا ہے۔ لیکن زردشت کی پیشگوئی میں بھی جو خود ایران کا رہنے والا ہے اس آخری موعودؑ کے نزول کی جگہ مشرق ہی بیان کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موعود کے نزول کیلئے کوئی ایسی سرزمین مقدر ہے جو فارس سے بھی مشرق ہی کو واقع ہے۔ غرض ہندوستان سے مغرب کی طرف اقالیم میں جس قدر پیشگوئیاں اس موعودؑ کے متعلق موجود ہیں اُن سب میں مقام

نزول موعود مشرق ہی قرار دیا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان میں جو یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ کلجگ کے خاتمہ پر ایک عظیم الشان اوتار نازل ہوگا اس میں اس کے نزول کیلیے ہندوستان سے باہر کسی ملک کا اشارہ نہیں کیا گیا۔ اُن تمام پیشگوئیوں میں مشرق کا ذکر موجود ہونا اور ہندی پیشگوئی میں کسی غیر ملک یا سمت کا ذکر نہ پایا جانا اس بات کو صاف طور پر ثابت کر رہا ہے کہ اس بلند مرتبت مصلح آخر زمان کے نزول کیلیے ہی ملک ہندوستان ازل سے مقدر تھا۔ اس مختصر بحث کا فایدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ مختلف قوموں کی مختلف پیشگوئیوں میں جو بطور اجمال مصلح آخر زمان کا ذکر موجود ہے اس سے اس کے نزول کے زمانہ اور مقام کا سمجھنا بہت مشکل نہیں رہتا۔

ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ کوئی صاحب ان مسیح موعود کے نزول کی متعلقہ پیشگوئیوں سے کوئی اور نتیجہ ایسا نکال سکتا ہے جو ہمارے نتیجہ پیش کردہ سے مختلف ہو۔ لیکن یہ یقینی اور قطعی امر ہے کہ اگر ان متفرق پیشگوئیوں کے عام مفہوم اور متفقہ نتیجہ کو لیا جاوے تو وہی نتیجہ نکلیگا جو ہم نے پیش کیا ہے۔ تمام انبیاء کی تاریخ اس بات پر شہادت دیتی ہے کہ پیشگوئیوں کے معنے کرنے میں انکے عام مفہوم کو مدنظر رکھنا چاہیئے اور پیشگوئیوں کی تفصیلات پر زیادہ زور نہیں دینا چاہیئے۔ اگر ہم تمام مذاہب کی متفرق پیشگوئیوں میں سے قدر مشترک نتیجہ نکالنا چاہیں تو سوائے اس نتیجہ کے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ آخری زمانہ میں ایک مصلح کے آنے کی پیشگوئی متفقہ مفہوم کے ساتھ بہت ساری اقوام میں مروج ہے۔ اس پیشگوئی کا اس طریق سے اکثر مذاہب میں موجود ہونا اور اسلام میں اس کے متعلق نشانات کا معین ہونا دو ایسے اہم اور ضروری امور ہیں جن سے کوئی اور نتیجہ نکالنا ممکن ہی نہیں۔ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ اس نتیجہ کے سوا کوئی اور نتیجہ اس پیشگوئی کا تراشنا پر از خطر راہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی بنا نہ صرف پیشگوئی کی سرسری شہادت پر ہی ہوگی بلکہ ایسے خیالات پر ہوگی جو تمام ایسے حقایق اور واقعات سے جدا ہونگے جو علی الاطلاق ان پیشگوئیوں کے معنوں پر روشنی ڈالنے والے ہیں۔ یہ بات اس مثال سے اور بھی واضح ہو سکتی ہے۔ کہ اس زمانہ میں کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام ابھی دنیا پر تشریف نہ لائے تھے تو بنی اسرائیل مسیح کی انتظار میں تھے۔ پھر جب مسیح آئے اور انہوں نے اپنے دعوئے نبوت کی منادی کی تو وہی منتظر بنی اسرائیل اُسے کذاب اور مفتری علی اللہ سمجھنے لگ گئے۔ اس تکذیب کی وجہ یہ نہ تھی کہ بنی اسرائیل مصلح کی ضرورت سے بیخبر تھے۔ اور اس بات سے ناواقف تھے کہ قدیمی پیشگوئی کے عام مفہوم کی رو سے وہ زمانہ ہی نزول مسیح کا زمانہ تھا بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ پیشگوئی کی بعض خاص باتوں پر بہت زور دیتے تھے۔ مثلاً بہت ساری پیشگوئیوں میں سے ایک پیشگوئی جو مسیح کے نزول کی خبر دیتی تھی اُس میں یہ شرط لگی ہوئی تھی کہ گذشتہ نبیوں میں سے حضرت الیاسؑ (ایلیا) آسمان سے دنیا پر پھر تشریف لادیں گے۔ اور مسیح اُس وقت نازل ہونگے جب الیاسؑ آچکیں گے چونکہ ابھی تک یہ شرط اُن کے نزدیک پوری نہ ہوئی تھی یعنی الیاسؑ آسمان سے نہ اُترے تھے اسلیے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو

جھوٹا مدعیٔ نبوت سمجھتے تھے۔ اور اُن کا خیال تھا کہ یہ بھی اُن بہت سارے جھوٹے مسیحوں میں سے ایک مسیح ہے جن کی نسبت لکھا تھا کہ بہتیرے جھوٹے مسیح آئیں گے۔ اسی طرح مسیح کے متعلق اور پیشگوئیوں میں بھی اسی قسم کے کئی اور پہلو تھے جو لفظی طور پر یسوع کے متعلق پورے نہ ہوئے تھے۔ اور اس لیے یہودی لوگ اُن کی مخالفت پر تُلے ہوئے تھے یہودیوں نے اس غلط فہمی سے بہت خطرناک ٹھوکر کھائی۔ اور بڑی تباہی اُٹھائی۔ بلکہ کثیر حصہ اُس نکبت اور ذلت اور بدنصیبی کا جو انکو قومی طور پر ملا ہوا ہے وہ سب اسی ایک غلطی کی بدولت ہے کہ وہ ہر شق سے پیشگوئی کے لفظاً پورا ہونے پر اعتقاد بنائے ہوئے تھے۔ اس لیے کسی مدعیٔ نبوت کے دعوے کے صدق وکذب کی شناخت اور فیصلے کیلیے سب سے محفوظ طریق یہ ہے کہ یہ امر دیکھ لیا جائے کہ بہ ہیئت مجموعی کیفیت عامہ کے ساتھ وہ پیشگوئی اس کے حالات کے ساتھ موافق ہے یا نہیں۔ یہاں تک تو اصول عامہ مشترکہ و مسلمہ سے ہمارے بیان کی ترجیح ثابت ہے۔ اب دوسرا امر یہ ہے کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب کے دعوئے مسیحیت و مہدویت کے باری میں اندرونی شہادت دیکھی جاوے۔ لیکن قبل اس کے کہ اس امر کی تفصیل کی طرف رجوع کیا جائے یہ ضروری ہے کہ عوام الناس میں جو یہ خیال بیٹھا ہوا ہے کہ یہ پیشگوئیاں لفظی طور پر پوری ہونی چاہئیں اور اس کی وجہ سے وہ کئی قسم کی غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے ہیں انکو دُور کیا جائے۔ عیسائی اور مسلمان دونوں اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ اس پیشگوئی سے مراد یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ ابن مریم ناصری اسرائیلی ہی دنیا پر آخری زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے جہاں وہ اتنے عرصہ سے چڑھے بیٹھے ہیں۔ اور زندہ ہیں۔ یہ خیال ایسا ہے کہ نہ اس کی بنیاد ہی صحیح ہے اور نہ اس کی بالائی عمارت ہی راست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر ہرگز نہیں چڑھے! وہ انسان تھے اور برگزیدہ انسانوں کی طرح عزت کے ساتھ اسی زمین پر راہئ ملک بقا ہوئے۔ اور اسی زمین کو اپنے مدفن بننے کی عزت بخشی۔ چنانچہ اُنکی مزار منور محلہ خانیار واقع شہر سری نگر ملک کشمیر میں اس وقت تک محفوظ اور موجود ہے۔ مسیح علیہ السلام کے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ اُٹھایا جانیکا اعتقاد جیسا کہ بے بنیاد اور بعید از حقیقت ہے اسی طرح اُسکا آسمان سے اُترنا بھی وہمی قصہ ہے۔ جس کی تہ میں حقیقت کچھ بھی نہیں۔ لوگوں کی عادت ہوگئی ہے کہ جہاں کہیں مسیح کا نام آجائے اور اس کے متعلق کسی واقعہ یا پیشگوئی کی تشریح کی ضرورت ہو تو وہ اُسوقت تک صبر نہیں کرتے جبتک کہ اُسپر کوئی ایسا رنگ نہ چڑھا لیں جو اُنکی اپنی نظر میں دائرہ انسانی سے فائق ہو۔ اُسی طرح مسیح آخر زمان کے متعلق یہ عقیدہ گھڑا ہوا ہے کہ پہلا مسیح ہی آسمان پر زندہ چڑھ گیا تھا اور اس زمانہ میں وہی آسمان سے اُتریگا۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام ہی نے خود اس مسئلہ کا فیصلہ کیا کہ نزول ثانی سے کیا مراد ہوتی ہے۔ یہودی جو الیاسؑ کے نزول ثانی کے لیے آسمان کی طرف تاک لگائے بیٹھے تھے اُنکو مسیح نے کھول کھولکر بیان کر سنایا کہ اس نزول سے مراد یہ نہیں کہ فی الحقیقت وہی الیاسؑ دوبارہ نازل ہونگے بلکہ مراد اس سے یہ تھی کہ کوئی شخص حضرت الیاسؑ کی قوت قدسی اور روحانیت سے بہرہ اندوز ہو کر آئیگا۔

اور یہ پیشگوئی حضرت یحییٰ ؑ (یوحنا بپتسمہ دینے والے) کے وجود میں پوری ہوگئی ہے جو حضرت الیاسؑ کی روحانیت اور قوت قدسی لیکر تشریف لائے ہیں۔ حضرت مسیحؑ نے نزول الیاس سے کبھی انکار نہیں کیا۔ لیکن وہ ہمیشہ اس کی یہی تشریح کرتے تھے کہ اس سے مراد نزول حضرت یحییٰ تھی۔ غرض حضرت مسیحؑ مقدس تواریخ میں پہلے بزرگ ہوئے ہیں جنہوں نے مسئلہ بروز کی حقیقت اور الہامی اصطلاح میں نزول ثانی کے فلسفہ کو منکشف فرمایا۔ اور یہ ضروری تھا کہ اُن کے مُنہ سے ہی یہ مسئلہ بھی صاف ہو جاوے کیونکہ لوگوں نے اسی قسم کی غلط فہمی اُن کی ذات خاص کے متعلق بھی کرنی تھی۔ پھر جبکہ وہ آپ ہی ان اصطلاحات کا فیصلہ کر چکے تھے اور ان سے مراد جو اصلی ہے اسکی تشریح بیان فرما چکے تھے تو جب انہوں نے یہ کہا "کہ مسیح دوبارہ آئیگا" تو اس کا مطلب ان کی بیان کردہ تشریح سے جدا کیونکر سمجھا جانا ممکن ہے جب انہوں نے ایک طرف الیاسؑ کے نزول ثانی کی یہ تشریح کی اور دوسری طرف اپنے نزول ثانی کی خبر دی تو اگر انکی منشا ریں اپنے نزول کے یہ معنے ہوتے کہ وہ خود آسمان سے نازل ہونگے تو ضرور تھا کہ وہ اپنے حواریوں کو کُھلے الفاظ میں فرما دیتے کہ اگرچہ الیاسؑ کے دوبارہ نزول کی خاص تشریح پر میں نے اتنا زور دے رکھا ہے لیکن میرا نزول ثانی ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ میں آپ ہی آؤنگا جب تک کہ یہ ثابت نہو کہ مسیح علیہ السلام نے اپنے نزول ثانی کے متعلق واضح الفاظ میں کہیں فرما دیا تھا کہ اس سے مراد یہی ہے کہ میں آپ ہی دوبارہ آسمان سے نازل ہونگا۔ اور میرا آنا الیاسؑ کے آنیکی طرح نہیں ہوگا اس وقت تک ہم پابند ہیں کہ نزول ثانی کے وہی معنے لیں جو اس نے الیاسؑ کے معاملہ میں آپ بیان کیے ہوئے ہیں۔ جب یسوع مسیح نے اپنے حواریوں کو یہ یقین دلایا کہ وہ سچا نبی ہے۔ اور اپنے صدق کی دلیل یہ ٹھہرائی کہ ایک شخص کے نزول ثانی سے مراد یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کی روحانیت اور قوت قدسی پاکر مبعوث کیا جائیگا۔ تو یہ لازمی امر ہے کہ اپنے نزول ثانی کی پیشگوئی کی بھی وہی مراد انہوں نے رکھی ہو۔

بعض عیسائی اخباروں نے اس دقت کو حل کرنیکے لیے ایسی تشریحات پیش کی ہیں جنہیں دیکھکر ہنسی آتی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ چونکہ الیاسؑ ایک بشر تھا اسلیے اُسکا دوبارہ آنا محال اور ناممکن تھا اور اس لیے ضروری تھا کہ اس کے نزول ثانی کی پیشگوئی سے مراد کسی اور شخص کا نزول ہو جو اسکی روحانیت اور قدسی قوت لیکر آئے۔ لیکن خداوند یسوع مسیح تو خدا تھے۔ اُنکا دوبارہ دنیا پر آنا عین احاطہ امکان کے اندر ہے۔ اور یہ ممکن نہیں ...... کہ کوئی بشر اُس کی روحانیت اور قدسی قوت سے حصہ پاسکے اور پھر اُس کی بجائے نازل ہو سکے۔ عیسائیوں نے جو جدت طبع اس موقع پر دکھلائی ہے وہ کسی پہلو سے قابل تحسین و تعریف نہیں ہو سکتی بلکہ مضحکہ خیز ہے یہاں مسیح کی الوہیت اور عدم الوہیت کا تو مسئلہ ہی نہ تھا بلکہ سوال یہ تھا کہ خود مسیح نے اپنے نزول ثانی کی کیا تشریح کی۔ جب مسیح کی اپنی تشریح موجود ہے تو کسی عیسائی کو اُسکے مقابلہ میں کوئی اور تشریح پیش

کرنیکا کیا حق ہے۔ اگر اپنے نزول ثانی سے مسیح کے دل میں کوئی اور مطلب ہوتا تو اسکا فرض تھا کہ وہ کم از کم اپنے شاگردوں ہی کو جمع کر کے انہیں سمجھاتا کہ "اے میرے دوستو! تمھیں اس امر کیطرف توجہ کرنی چاہئیے کہ میں نے تمھارے سامنے کئی مرتبہ الیاسؑ کے نزول ثانی کی تشریح بیان کی ہے۔ کہ اس سے مراد کسی دوسرے شخص کا نزول ہے جو الیاسؑ کی روحانیت اور قوت قدسی پر آئے گا۔ یہ تشریح میرے دعوئے مسیحیت کی حقیقت ثابت کرنیکے لیے ازبس ضروری تھی۔ کیونکہ اگر یہ تشریح نہ کیجاتی تو میرے دعوے کا سارا تانا بانا ہی غلط اور اکارت ہو جاتا۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میرے نزول ثانی سے مراد بھی یہی ہے کہ کوئی دوسرا شخص میری بجائے نازل ہوگا۔ اے میرے عزیزو! الیاس صرف ایک انسان تھا اور اس لیے اسکا دوبارہ نازل ہونا ناممکن محض تھا۔ لیکن میں خدا ہوں اور میرا دوبارہ اس وجود میں آنا ممکن ہے۔ اور اگر تم یہ کہو کہ اُس وقت الیاس کے نزول ثانی کی پیشگوئی کیوں کی گئی تھی تو اسکا جواب یہی ہے کہ میرا قیاس ہے کہ اُس نبی نے بھی پیشگوئی کرنیکے وقت گمان کرلیا ہوگا کہ الیاس بھی خدا ہے اور اُسکا دوبارہ آنا ممکن ہے"۔ علاوہ بریں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب مسیحؑ نے الیاسؑ کے نزول ثانی کی پیشگوئی کی تشریح کی تو اُس نے کبھی نہیں کہا کہ الیاس آیا ہی نہیں۔ بلکہ وہ کہتا ہے " اور الیاس جو آنیوالا تھا یہی ہے۔ چاہو تو قبول کرو" (متی ۱۱/۱۴) "اور اُس کے شاگردوں نے پوچھا پھر فقیہہ کیوں کہتے ہیں کہ پہلے الیاس کا آنا ضروری ہے؟ یسوع نے اُنہیں جواب دیا کہ الیاس البتہ پہلے آویگا اور سب چیزوں کا بندوبست کریگا۔ پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ الیاس تو آچکا لیکن انہوں نے اُسکو نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی اُنسے دکھ اُٹھاویگا۔ تب شاگردوں نے سمجھا کہ اُس نے اُن سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا" (متی ۱۷/۱۰-۱۳) اس حوالہ سے ثابت ہے کہ یسوع مسیح کو الیاس کے آنیکی ضرورت کی بڑی قدر تھی مگر اُس نے یہ نہیں کہا کہ الیاس چونکہ محض بشر تھا اس لیے وہ دوبارہ نازل نہیں ہوا۔ یا اس لیے کہ اس کے منصب کا کام کوئی دوسرا آدمی کر سکتا تھا۔ اس نے تو اسی بات پر بار بار زور دیا کہ حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والا (یحییٰؑ) ....
حضرت الیاس کی روحانیت اور قوت قدسی لے کر آیا اور وہی الیاس تھا۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ روحانی طور پر وہی الیاس تھا۔ اوپر جو بائبل کی دوسری آیت درج کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کا اپنا نزول ثانی بھی اسی کیفیت کے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ اُس نے کہا ہے کہ "الیاسؑ تو آچکا۔ لیکن انہوں نے اُسکو نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی اُن سے دکھ اُٹھاویگا" جسکا مطلب یہ ہے کہ الیاس کو دوسرے نزول کے وقت دکھ دیا گیا تھا۔ کیونکہ اُسوقت لوگوں نے نہ جانا کہ وہ الیاس تھا۔ اس لیے انہوں نے اُس کو دکھ دیئے اور ستایا۔ اسی طرح مسیح کو بھی دوسرے نزول کے وقت دکھ دیئے جائیں گے۔ کیونکہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ مسیح ہے۔

ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ عیسائیوں کی طرح مسلمانوں نے بھی یہ اعتقاد باطل پکا رکھا ہے کہ مسیح ناصری اسرائیلی ہی دوبارہ نازل ہوں گے۔ عیسائی تو انسان پرستی میں گرفتار تھے ہی لیکن تعجب کی بات ہے کہ اُس خدا پرست مسلمان قوم کے افراد بھی اس بد اعتقادی میں مبتلا ہو گئے۔ جن کی مقدس کتاب قرآن شریف بآواز بلند پکار پکار کر مسیح علیہ السلام کی وفات بیان کر رہی ہے۔ اور اُس کے آسمان پر چڑھنے کو غلط قرار دے رہی ہے۔ قرآن شریف کی سورۃ المائدہ کے اخیر میں لکھا ہے۔ واذ قال اللہ یا عیسیٰ ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ قال سبحانک مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم مافی نفسی ولا اعلم مافی نفسک انک انت علام الغیوب ٥ ماقلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم وکنت علیھم شھیدا مادمت فیھم۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علیٰ کل شیٔ شھید ٥ ترجمہ۔ جب خدا پوچھیگا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا لوگوں کو تُو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو خدا کے سوا معبود بنالو۔ تو عیسیٰ جواب دیں گے اے خدا جو تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں انہیں ایسی باتیں تعلیم کرتا جو مجھے حق نہیں پہنچتا۔ اگر میں نے کچھ کہا ہوتا تو اُس کو تو جانتا ہے۔ کیونکہ جو بات میرے جی میں ہے اُسکو تو جانتا ہے اور جو تیرے جی میں ہے میں اُسکو نہیں جانتا۔ تو تو ہر غیب کو بہت اچھی طرح جاننے والا ہے۔ میں نے انہیں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو تُو نے مجھے نہ فرمائی ہو۔ اور جو کہا وہ یہی تھا کہ اللہ جو میرا اور تمہارا رب ہے اس کی ہی بندگی کرو۔ اور جب تک میں ان میں تھا تو میں انپر شاہد تھا۔ مگر جب تُو نے مجھے وفات دیدی تو پھر انپر تو ہی نگہبان تھا۔ اور تو ہی ہر شے پر شاہد ہے۔

مسیح علیہ السلام کے اس جواب سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اُس کو لوگوں نے اُس کی زندگی میں خدا نہیں بنایا۔ بلکہ اُس کے مرجانیکے بعد اُسے خدا بنایا گیا۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود دوبارہ واپس دنیا پر نہیں آسکتے۔ کیونکہ اگر وہ دنیا میں واپس آئے ہوتے تو اُن کا یہ کہنا (کہ میں نہیں جانتا کہ میرے مرنیکے بعد لوگ کن غلط راہوں اور گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے) غلط اور بیجا قرار پاتا ہے۔ ایسی صورتمیں ضرور تھا کہ وہ اس جگہ بھی اپنی معمولی، استبازی سے ایسا بیان دیتے کہ جس سے اُن کا علم پایا جاتا۔ مسیح کی الوہیت کے اعتقاد کی ابتدا مسیح کی موت کی دلیل ہے۔ یعنی جب یہ ثابت ہو جائے کہ مسیح کو لوگوں نے اللہ سمجھ لیا ہے تو اُسوقت اس آیت شریفہ کے منشار کے موافق یہ سمجھنا لازمی ہوگا کہ حضرت مسیح فوت بھی ہو گئے ہیں اس کے ماسوا اور بھی ثبوت اس قسم کے موجود ہیں جن سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ابن مریم۔ اسرائیلی نبی کا

دوبارہ دنیا پر تشریف لانا ناممکن ہے۔ ہر ایک مرسل و مامور الٰہی جو دنیا میں تشریف لاتا ہے تو اسکی بعثت کے دو بڑے اغراض ہوتے ہیں ایک دفع شر اور دوسری جلب خیر۔ وہ دنیا سے ہر قسم کے باطل۔ باطل خیالات۔ باطل رسوم۔ باطل عقاید۔ باطل اصول وغیرہ کو منہدم کرکے ان کی بجائے راستبازی نیک عملی اور اصول و عقاید و رسوم صحیحہ قایم کرتا ہے۔ کوئی نبی اللہ صرف دفع شر ہی کیلیے مامور و مبعوث نہیں کیا گیا۔ بلکہ دفع شر ایک ابتدائی مرحلہ ہوتا ہے جس کے بعد اعلیٰ اصول نہایت برجستگی اور مضبوطی کے ساتھ قایم کیے جاتے ہیں۔ اور اگر دفع شر سے یہ مقصود حاصل کرنا مدنظر نہ ہو تو پھر یہ بالکل بے حیثیت اور بیقدر بات ہے۔ اسی طرح مسیح موعود کا حال بھی ہے وہ اس قانون الٰہی سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ جب ہم پیشگوئیوں کی طرف نظر اٹھاکر دیکھتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ کی بعثت کی پہلی غرض یہ ہے کہ وہ کسر صلیب کریگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فتنہ دجّال کو پاش پاش کریگا۔ اس پیشگوئی میں مسیح کو عیسیٰ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اس پیشگوئی میں اس دوسری اہم شق یعنی جلب خیر کا بیان نہیں ہوا جو مسیح موعودؑ کی دوسری بعثت کی غرض رکھی گئی ہے اسکا ذکر دوسری پیشگوئی میں ہے جس میں لکھا ہے۔ لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس۔ یعنی اگر ایمان ثریا پر بھی معلق ہو گیا ہوگا تو ایک فارسی الاصل مرد اُسے پھیر لا دیگا۔ اس پیشگوئی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں دنیا سے ایمان مفقود ہو جاویگا اور مسیح موعود اس گم شدہ ایمان کو بحال کرنیکے لیے مبعوث ہوگا۔ اسی کے مطابق مسیح نے بھی کہا ہے۔ "جب ابن آدم آویگا تو کیا وہ دنیا پر ایمان پاویگا؟"۔ ان الفاظ سے بھی وہی مطلب نکلتا ہے جو مندرجہ بالا حدیث سے سمجھ میں آتا ہے اور مسیح کے مبعوث ہونیکی وہی غرض معلوم ہوتی ہے جو اس حدیث سے مفہوم ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ دنیا پر ایمان از سر نو بحال کرکے دنیا کی اصلاح کریگا۔ اسطرح مسیح موعودؑ کی زندگی کا اصلاحی حصہ دنیا پر ایمان بحال کرکے دنیا کی اصلاح کرنا ہے۔ اس پیشگوئی میں اس مصلح کو فارسی الاصل کہا گیا ہے۔ دو مختلف خطابوں کے وجود سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ان دو پیشگوئیوں سے مراد دو مختلف شخص ہیں۔ حقیقت میں یہ دونوں پیشگوئیاں ایک دوسری کا تکملہ ہیں۔ ان میں سے ایک اکیلی پیشگوئی مسیح موعودؑ کے منصب کے سارے فرائض کی تفصیل نہیں کرتی بلکہ ہر ایک صرف ایک حصہ کو بیان کرتی ہے جو ایک دوسرے کے متوافق ہے اور در اصل دونوں کے ملنے سے ایک پیشگوئی بنتی ہے۔ اسی مصلح کو پہلے مسیح کہکر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کسر صلیب کریگا اور پھر فارسی الاصل کہکر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ دنیا پر ایمانی قوت کو پھر بحال کریگا۔ اب ایمان اسوقت تک بحال نہیں ہو سکتا جس وقت تک زمانہ موجودہ کے غالب فتنہ کو جو صلیبی اور دجّالی فتنہ ہے پہلے فرو نہ کر لیا جائے۔ اور ایسے فتنہ اور باطل مسائل کا تباہ کرنا اُس وقت تک

بالکل بے سود ہوتا ہے جبتک کہ خدا تعالیٰ پر علیٰ وجہ البصارت اور سچا ایمان بحال نہ کیا جاوے۔ غرض ان دو پیشگوئیوں میں ایک ہی مصلح کے منصب کے دو حصوں کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ اُس پیشگوئی میں جو مسیحؑ کے مُنہ سے نکلی ہوئی ہے لکھا ہے کہ مسیح آپ آنکر دنیا میں ایمان بحال کریگا۔ اس سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ "رجل من ابناء فارس" اور مسیح دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں۔

فارسی الاصل (رجل من ابناء فارس) کے متعلق جو پیشگوئی وارد ہوئی ہے اسکی جڑھ قرآن شریف میں موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ الجمعہ میں آیا ہے۔ ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم۔ ترجمہ۔ خدا تو وہ ہے کہ جس نے اُمّی لوگوں میں سے یہ رسول مبعوث کیا۔ کہ اُنہیں اس کی آیات سنائے اور اُنہیں پاک بنائے اور کتاب وحکمت کی انکو تعلیم دے۔ گو وہ پہلے عیاں طور پر غلطی میں پڑے ہوئے تھے۔ اور نیز آخری زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئی وہ قوم بھی انہیں لوگوں کے ہمرنگ ہوگی اور ان میں بھی اسی طرح نبی مبعوث ہوگا جو اُنہیں خدا کی آیات سنائے گا۔ اور اُنہیں پاک بنائے گا۔ اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیگا۔ اور خدا غالب اور حکمت والا ہے۔ زمخشری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ یہ اٰخرین منھم سے کونسی قوم مراد ہے۔ اسپر آنحضور پُر نور صلعم نے سلمان فارسیؓ کے کندھوں پر ہاتھ رکھکر فرمایا۔ لوکان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء الفارس۔ یعنی اگر ایمان اُٹھایا جاکر ثریا میں معلق ہوگا تو ان فارسی لوگوں میں سے ایک شخص ایسا اُٹھیگا کہ وہ وہاں سے بھی ایمان واپس لے آویگا۔ آیت کریمہ میں جن لوگوں کے درمیان اس فارسی الاصل نبی کی بعثت لکھی ہے اُنہیں اٰخرین کہا گیا ہے۔ اور یہی وہ لفظ ہے جو بجنسہ یا جس کے مترادف الفاظ اُن تمام پیشگوئیوں میں لکھے ہوئے ہیں جو مسیح موعودؑ کے نزول کے متعلق ہیں۔ ان تمام باتوں سے اور نیز اس آیت کی اُس تفسیر سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ شخص فارسی الاصل جو اسلامی پیشگوئیوں میں لکھا ہے وہ مسیح موعودؑ یا خاتم الخلفاء کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کہ "ایمان ثریا پر معلق ہوگا" سے صریح اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ اُنسے بہت عرصہ بعد ہوگا۔ اسلیئے "شخص فارسی الاصل" سے مراد حضرت امام ابو حنیفہ یا امام بخاری رحمہما اللہ نہیں ہوسکتے۔ اسکی ایک تو یہ وجہ ہے کہ اس شخص کیلیے

لازمی ہے کہ وہ خدا کا مامور ہو لیکن ان دونوں بزرگوں میں سے کسی سے مامور من اللہ ہونیکا دعویٰ ثابت نہیں۔ اور اس کے علاوہ انکا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ایسا قریب تھا کہ جس میں یہ ممکن نہیں خیال کیا جا سکتا کہ ایمان دنیا کے اُٹھ گیا ہو۔ اور خصوصًا ایسی حالتیں جبکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہوا ہے کہ میرے بعد تین سو برس تک قوت ایمانی اور نکوکاری اور تقویٰ کا غلبہ رہیگا اور اس کے بعد فیج اعوج کا زمانہ شروع ہو جائیگا۔ جو ایک ہزار سال کی اندھیری رات ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں حضرات رضؓ خیر القرون کے اندر ہی گذرے ہیں۔ خدا انکی مساعی جمیلہ کو اور بھی برومند کرے اور ان پر بڑی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔ جیسا کہ تین سو برس بعد آنحضرت سرور کائنات تک کوئی بزرگ اس "فارسی الاصل" کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایک ہزار سال اس کے بعد تک بھی ایک ایسے زمانہ کی پیشگوئی ہے کہ جو فیج اعوج کا زمانہ ہوگا اور ایمان میں ایسے رخنے دن بدن پڑتے جائیں گے کہ آخر وہ دنیا سے قریبًا اُٹھ ہی جائیگا۔ اس لیے اس ایمانی زوال کے زمانہ میں کوئی شخص اس پیشگوئی متعلقہ "شخص فارسی الاصل" کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ اب یہ بات دیکھتے ہیں کہ اس پیشگوئی کا مصداق کون صحیح طور پر قرار پا سکتا ہے جبکہ گذشتہ بحث میں قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ زمانہ بعثت مصلح آخر زمان یہی زمانہ ہے۔ اور مسیح و مہدی اور "شخص فارسی الاصل" وغیرہ سب اسی مصلح کے نام ہیں۔ اور ٹھیک وقت پر حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر دعویٰ بھی کر دیا ہے۔ تو اب اسبات کا فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ آیا ان تمام امور پر غور کرنیسے اس پیشگوئی کا صحیح مصداق یہ مدعی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ جب واقعات صحیحہ پر کامل غور اور انصاف سے نظر ڈالی جاتی ہے تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ عیسوی پیشگوئی "مسیح نزول ثانی" کی بابت اور اسلامی پیشگوئی جو "شخص فارسی الاصل" کی بعثت کے متعلق لکھی ہے وہ دونوں اسی مدعی کے وجود میں پوری ہوتی ہیں۔ اس بات کو ذرا زیادہ صفائی کے ساتھ سمجھنے کے لیے ہم پہلے اُس زمانہ پر نظر ڈالتے ہیں جبکہ ابھی انہوں نے دعویٰ نہ کیا تھا۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں انہوں نے ایک ضخیم کتاب لکھی جسکا نام براہین احمدیہ رکھا۔ یہ کتاب دعوے سے قریبًا دس برس پہلے کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مسیح کے نزول ثانی کے عقیدہ میں کچھ اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ عام عقیدہ کے مطابق یہ بیان کیا ہے کہ اس سے یہی مراد ہے کہ وہ خود ہی آئیں گے۔ لیکن اسی کتاب میں انہوں نے اپنے رؤیا اور مکاشفات درج کیے ہیں جن سے انکی روحانی مماثلت حضرت مسیح کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اور ایسے الہامات بھی لکھے ہیں جن میں انکو "مسیح" اور "شخص فارسی الاصل" کے خطابوں سے مخاطب کیا گیا ہے اگرچہ بادی النظر میں بعض لوگوں کے لیے یہ شہادت کچھ متعارض سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن درحقیقت اس موعود کے صاف گوئی اور صدق دعوے پر ایک قطعی اور فیصلہ کن شہادت ہے۔ یہی بے بناوٹی اور صفائی طبع پر دلیل ہے کہ ایک شخص جو خود مسیح موعود بننے کا دعویٰ کرتا ہے وہ جب ابھی اپنے اس منصب پر مامور نہیں ہوا۔ نہیں جانتا کہ کل کو مجھے کیا عزت بخشی جاویگی۔ نہایت سادگی اور بے تکلفی سے وہی اعتقاد بیان

کرتا ہے جو عام طور پر مسلمانوں میں مروج ہے۔ خود بے تکلفی اور سچائی سے ایک طرف یہ عقیدہ بیان کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ الہامات درج کرتا ہے جو اُسے خدا کی طرف سے ہوئے اور جن کا مصداق ابھی تک نہیں سمجھا گیا۔ ایکطرف اس اعتقاد کا اظہار اور دوسری طرف یہ الہامات جو اعتقاد کے مخالف تھے ایک ہی کتاب میں لکھے موجود ہونا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ یہ الہامات ملہم کے دل کے بنائے ہوئے نہیں۔ بلکہ کسی ایسے زبردست کی طرف سے القا ہوئے ہیں جو کلام میں اپنے غالب ہے۔ اگر ایسا ہوتا کہ انکے دل میں خود مسیح موعود بننے کی اُمنگ ہوتی اور یہ الہامات اسی مقصود کو حاصل کرنیکے لیے خود تراشیدہ ہوتے۔ اور اس دعوے کی پٹڑی جمانیکے لیے پہلے منصوبہ بازی کا پیش خیمہ ہوتے تو اتنی احتیاط تو ضرور ہی کیجاتی اور کم از کم اتنا تو نہ لکھا جاتا کہ وہ مسیح ناصری ہی وقت موعودہ پر خود دوبارہ نازل ہوگا۔ یہ ایک ایسی زبردست بات ہے کہ جس سے الہام اور ملہم کی صداقت کا بڑا پختہ اور مضبوط ثبوت ہم پہنچتا ہے۔

ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ ان الہامات میں صاحب الہام کو مسیح ابن مریم کا روحانی طور پر مثیل کہا گیا ہے۔ جس کی نسبت لکھا ہوا ہے کہ وہ آخری زمانہ میں آئیگا۔ اور چونکہ یہ شہادت اس وقت بیان کی گئی تھی جس وقت انہیں خود مسیح موعود بننے کا ذرہ خیال بھی نہ تھا اس لیے اس کے امر واقع اور قطعی ہونیکا بڑا زبردست ثبوت ہے۔ براہین احمدیہ (جسکو شایع ہوئے چوتھائی صدی گذر چکی ہے) سے مندرجہ بعض الہامات اور رؤیا کو ہم ذیل میں لکھدیتے ہیں۔

ایک رؤیا یہ ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "ایک موقعہ پر مسیح نے میرے ساتھ بیٹھکر ایک ہی برتن میں اور ایک ہی دسترخوان پر گائے کا گوشت کھایا۔ یہ کشفی حالت کا واقعہ تھا اور ایسا صاف کشف تھا جو بیداری کے ہمرنگ تھا اور بڑی غربت اور محبت سے اُس نے مجھے کہا کہ میں تمہارا بھائی ہوں"۔ اسی طرح ایک اور رؤیا بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی حالت میں یہ اور وہ ایک ہی تھے۔ ایک الہام میں انہیں مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ "یا عیسیٰ انّی متوفیك" یعنی اے عیسیٰ میں تجھے طبعی موت دیکر دنیا سے اُٹھاؤنگا۔ جس میں یہ بات مرکوز ہے کہ تجھے لوگوں کے ہاتھوں سے قتل نہ ہونے دونگا۔ ایک اور الہام میں لکھا ہے۔ لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس یعنی اگر ایمان ثریا میں معلق ہوگیا ہوگا تو ابنائے فارس سے ایک مرد اسے پھیر لاویگا اس میں ملہم کو رجل من ابناء فارس کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے۔ اور پیشگوئی کے بیان میں اوپر یہ ذکر آچکا ہے کہ نبی آخر زمان کا ایک نام رجل من ابناء فارس بھی ہے۔ ایک اور الہام میں ہے خذوا التوحید التوحید یا ابناء فارس یعنی خدا کی توحید کو اے ابنائے فارس بہت محکم طور پر اختیار کرو۔ پھر ایک اور الہام یوں ہے۔ الذین یکفرون ویصدون عن سبیل اللہ رد علیہم رجل من فارس شکر اللہ سعیہ یعنی جو لوگ ایمان نہیں لائے اور خدا کی راہ سے لوگوں کو ہٹاتے ہیں۔ اُنکو ایک فارسی الاصل نے شکست دیدی۔ ان ساری پیشگوئیوں میں اس ملہم کو رجل من ابناء فارس اور فارسی الاصل کہا گیا ہے

اس کے متعلق ہم اس موقعہ پر اسی بات کے بیان کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب کے آباو اجداد فارس ہی سے آکر اس ملک میں آباد ہوئے تھے۔ جس پر تاریخ شاہد ہے۔

ان ابتدائی اور خارجی امور کے فیصلہ سے ہم اب اس حالت میں ہو گئے ہیں کہ اس نبی آخر زمان کے دعوے کی تصدیق کو سمجھنے کیلیے اندرونی شہادت پر غور کریں تاکہ ہر ایک منصف مزاج بلا لحاظ مذہب و ملت اس امر کو مان سکے۔ واضح ہے کہ ایسی شہادت جو ہر حق جو کو اطمینان دلا سکے وہ معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس غرض کیلیے ہم ایک معجزہ ہی پیش کرنیکے لیے منتخب کریں گے۔ جس پر ایسا اعتراض نہیں عاید ہو سکتا جو عام طور پر مسلمہ معجزات پر وارد ہو سکتا ہے۔ ڈیوڈ ہیوم نے معجزات پر ایک مضمون لکھا ہے اس مضمون میں وہ کہتا ہے "ساری تواریخ کے صفحات میں کسی معجزے کے مصدق کافی تعداد میں ایسے انسان نہیں پائے جاتے جنکی عقل۔ تحصیل علمی۔ اور لیاقت اعتراضوں کے داغوں سے ایسی صاف ہو کہ جس سے ہمیں انکی ذات کی نسبت کسی طرح کی غل و غش کا احتمال نہ ہو۔ اور ایسا بے ریب خلوص اور صدق نیت رکھتے ہوں جس سے یقین ہو سکتا ہو کہ وہ دوسرے لوگوں کو گمراہی اور دھوکہ میں ڈالنے کے لیے حیلہ بازیوں کے ہر قسم کے اشتباہ سے بالاتر ہیں۔ اور لوگوں کی نظروں میں ایسے صاحب قبولیت اور عزت ہوں کہ اگر انکا کوئی ایک جھوٹ بھی معلوم ہو جائے تو اس سے انکی اس وقعت میں بہت فرق آنیکا اندیشہ ہو۔ اور ساتھ ہی اس کے ان واقعات کی شہادت دیتے ہوں جو ایسے پبلک طور پر اور ایسے مشہور حصہ دنیا میں واقع ہوئے ہوں کہ جہاں انکے نقصوں کا معلوم ہونا ناممکن نہ ہو۔ یہی سب وہ ضروری حالات ہیں کہ جن سے کسی انسان کی شہادت پر ہمیں پورے طور پر اطمینان ہو سکتا ہے۔" یہ فقرات ایک ایسے شخص کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں جو معجزات کا بڑا منکر ہے۔ اور انمیں اُسنے وہ تمام وجوہ جمع کر دیے ہیں جن سے کسی معجزہ پر اعتراض اور انکار عاید ہو سکتا ہے۔ معجزات کی حقیقت کا انکار کرنیکے لیے یا ان کے غلط ثابت کرنیکے لیے ان سے بڑھکر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ عام طور پر جتنے مسیحی معجزات عیسائی دنیا میں مانے جاتے ہیں انمیں یہ تمام نقص بھی موجود ہیں اور پھر بھی وہ برابر اعجازی عزت دیے جاتے ہیں۔ لیکن ہم اسجگہ ایک ایسا معجزہ بیان کرتے ہیں جس کے برخلاف کوئی بھی ایسا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اور جس سے ان دعاوی کی حقیقت بوجہ احسن ثابت ہوتی ہے۔

جس معجزہ کے بیان کرنیکا ہم نے ذکر کیا ہے اسکا ثبوت ہر قسم کے اعتراض سے بری ہے۔ کیونکہ جس شہادت پر اس کی بنیاد ہے وہ ایسے آدمیوں کی گواہی نہیں .... جن کی نسبت کسی حیلہ یا دوسروں کو گمراہ کرنے یا دھوکہ دینے کا منصوبہ بنانیکا گمان ہو سکے۔ یہ ایک مشہور و معروف کتاب میں لکھی ہوئی گواہی ہے جو پچیس برس سے زیادہ عرصہ ہوا ہے کہ ہزارہا لوگوں میں شایع ہوئی۔ اور اب تک اسکی اشاعت روز افزوں ترقی پر ہے۔ اس کتاب کا نام براہین احمدیہ ہے اور حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی تصنیف ہے۔ اور چار دفعہ چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کی چار جلدیں ہیں جو ۱۸۸۰ء

سے ۱۸۸۴ء تک کے عرصہ میں چھپیں۔ تیسری جلد ۱۸۸۲ء میں چھپی تھی اور اس کے صفحہ ۲۳۶ پر مصنف صاحب نے الہام الٰہی کی حقیقت کا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کامل الہام وہ ہوتا ہے جس میں امور غیبی پر بطور پیشگوئی انسان خدا کی طرف سے مطلع کیا جاتا ہے۔ اور صفحہ ۲۳۸ پر لکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس قسم کے الہامات سے مجھے شرف بخشا ہے۔ چنانچہ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ "اس الہام کی مثالیں ہمارے پاس بہت ہیں۔ لیکن وہ ابھی جو ابھی اس حاشیہ کی تحریر کے وقت یعنی مارچ ۱۸۸۲ء میں ہوا ہے۔ جس میں یہ امر غیبی بطور پیشگوئی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس اشتہاری کتاب کے ذریعہ سے اور اس کے مضامین پر مطلع ہونے سے انجام کار مخالفین کو شکست فاش آئیگی۔ اور حق کے طالبوں کو ہدایت ملیگی۔ اور بدعقیدگی دُور ہوگی۔ اور لوگ خدا تعالیٰ کے القا اور رجوع دلانے سے مدد کرینگے۔ اور متوجہ ہونگے اور آئیں گے وغیرہا من الامور۔ اور اُن الہامی کلمات میں سے بعض اسجگہ لکھے جاتے ہیں۔ الرحمٰن علم القرآن لتنذر قوما ما انذر اٰباؤھم ولتستبین سبیل المجرمین قل انی امرت وانا اول المؤمنین۔۔۔۔۔۔ ھو الذی ارسل رسوله بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ۔۔۔۔۔ یریدون ان یطفؤا نور اللہ واللہ متم نورہٖ ولو کرہ الکٰفرون۔ سنلقی فی قلوبھم الرعب۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح وانتھیٰ امر الزمان الینا۔ الیس ھٰذا بالحق۔ ۔۔۔۔ ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔۔۔۔۔ الا ان روح اللہ قریب۔ الا ان نصر اللہ قریب۔ یاتیک من کل فجٍ عمیق۔ یاتون من کل فجٍ عمیق۔ ینصرک اللہ من عندہٖ۔ ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء۔۔۔۔۔ لا الٰہ الا اللہ فاکتب ولیطبع ولیرسل فی الارض۔۔۔۔۔ واتل علیھم ما اوحی الیک من ربک۔ ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس۔ اصحاب الصفة وما ادرٰک ما اصحاب الصفة۔ تریٰ اعینھم تفیض من الدمع۔ یصلون علیک۔ ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان وداعیًا الی اللہ وسراجًا منیرًا۔ املوا۔ ترجمہ۔ رحمٰن خدا نے خود تجھے قرآن اس لیے سکھلایا ہے۔ کہ تو ان لوگوں کو ڈر سنائے جنکے باپ دادوں کو ڈر نہیں سنایا گیا۔ اور کہ تو مجرموں کی راہ کھولکر بیان کردے۔ کہدو! مجھے خدا نے اس منصب پر مامور فرمایا ہے۔ اور میں خدا کے حکم کو ماننے میں سب سے اول ہوں۔۔۔۔ خدا ہی وہ پاک ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دیکر مبعوث کیا۔ کہ تا اُسکا دوسرے تمام دینوں پر حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ سے غلبہ قایم کرے۔۔۔۔ منکر لوگ آرزو کریں گے کہ اُس نور کو جو خدا نے روشن کیا ہے اپنے مُنہ سے بجھا دیں۔ لیکن خدا ضرور ضرور اپنے نور کو کامل کریگا۔ ہم انکے دلوں میں بہت جلد رُعب القا کریں گے۔ جب خدا کی نصرت اور فتح آئیگی اور تمام معاملہ ہماری طرف پُہنچیگا تو پھر کہا جائیگا کہ کیا یہ سچ نہیں؟۔۔۔۔ تیری مخالفت کیلیے وہ باریک تدبیریں کرینگے اور خدا انکی ہلاکت

کے بیے حکمت اور تدبیر کو کام فرمائیگا اور یہ یقینی بات ہے کہ ہر مدبر سے خدا بڑھ کر تدبیر کرنیوالا ہے۔ دیکھو! خدا کی رحمت یقیناً قریب ہے۔ دیکھو! خدا کی نصرت یقیناً بہت جلد پہنچنے والی ہے۔ ہر ایک دور و دراز راہ سے تیری طرف نصرت آئیگی۔ ہر ایک دور و دراز راہ سے لوگ تیری طرف اُمڈے چلے آئیں گے۔ خدا اپنے پاس سے تیری نصرت کریگا وہ لوگ جنہیں آسمان سے خدا وحی کریگا تیری مدد کیلیے آئیں گے۔ .... خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسلیے ان باتوں کو لکھ لو اور چھپوا کر تمام ملکوں میں شایع کر دو ..... اور جو کچھ تیرے خدا نے تجھ پر وحی کی ہے وہ لوگوں کو سنا دو۔ اور خلق اللہ سے چیں بجبیں نہ ہونا نہ ہی ان سے جب وہ جوق جوق تیرے پاس آویں تھکنا۔ تجھے اصحاب صُفہ بھی دیے جائیں گے اور تجھے کیا ادراک ہے۔ کہ اصحاب صُفہ کیا ہونگے۔ وہ ایسے لوگ ہونگے کہ جنکی آنکھوں سے تُو آنسو بہتے دیکھے گا۔ اور وہ تیرے پر درود بھیجیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے خدا ہم نے ایک بلانیوالے کی آواز سُن لی ہے۔ جو ہمیں ایمان کی طرف دعوت کرتا ہے۔ اور ایک داعی الی اللہ کی دعوت سُن لی ہے جو چمکتا ہوا آفتاب ہے۔ یہ سب باتیں لکھ لو۔"

مصنفِ براہین احمدیہ کے کثیر التعداد الہامات میں سے تھوڑے سے الہام ہمنے اسجگہ بطور نمونہ لکھے ہیں۔ جو انہیں خدا کی طرف سے ۱۸۸۲ء میں وحی ہوئے تھے اور اُس سال اُسی کتاب میں شایع بھی کر دیے گئے تھے۔ ان الہامات کا اردو میں ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔ انکے پڑھنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے۔ کہ ملہم کی آیندہ زندگی کا دوران کیسا ہوگا۔ ایسا ہی کتاب مذکور کی چوتھی جلد میں کئی پیشگوئیاں، اسی قسم کی لکھی ہوئی موجود ہیں۔ یہ جلد اُس سے دو سال بعد یعنی ۱۸۸۴ء میں شایع ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر ہمیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سے بھی چند پیشگوئیاں یہاں نقل کر دیں۔ چنانچہ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۴۸۵ پر ذیل کی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔ "چنانچہ کسیقدر عربی الہامات جو بعض عظیم الشان پیشگوئیوں اور احسانات الٰہیہ پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں مع ترجمہ لکھے جاتے ہیں۔ تاکہ اگر خدا چاہے۔ تو طالبِ صادق کو ان سے فایدہ ہو اور نامخالفوں کو بھی معلوم ہو کہ جس قوم پر خداوند کریم کی نظرِ عنایت ہوتی ہے اور جو لوگ راہِ راست پر ہوتے ہیں۔ اُنسے کیونکر خداوند کریم اپنے مکالمات اور مخاطبات میں بہ مہربانی پیش آتا ہے۔ اور کیونکر ان تفصیلات سے پیش از وقوع اطلاع دیتا ہے جن کو اُس نے لطیف راہ سے اپنے وقتو پر تیار کر رکھا ہے۔" اس تمہیدی عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مصنف کتاب کو کامل یقین ہے۔ کہ جو جو وعدے اُس کے ساتھ خدائے تعالیٰ نے کیے ہوئے ہیں۔ وہ سب ضرور پوری ہو کر رہیں گے۔ پھر اس کے بعد کتاب مذکور میں الہامات شروع ہوتے ہیں اور یہ حاشیہ نمبر ۳ میں مندرج ہیں۔ جو صفحہ ۵۶۲ تک جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ان میں سے تھوڑے سے الہام مع اصل ترجمہ درج کرتے ہیں۔ ۱۔ انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی فحان ان تعان و تعرف بین الناس۔ ۲۔ ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکوراً (صفحہ ۴۸۹)

ترجمہ۔ تُو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید اور تفرید سو وہ وقت آگیا جو تیری مدد کیجائے اور تجھ کو لوگوں میں
مشہور و معروف کیا جائے۔ کیا انسان پر یعنی تجھ پر وہ وقت نہیں گذرا کہ تیرا دنیا میں کچھ بھی ذکر و تذکرہ نہ تھا۔
یعنی تجھ کو کوئی نہیں جانتا تھا کہ تُو کون ہے۔ اور کیا چیز ہے اور کسی شمار و حساب میں نہ تھا یعنی کچھ نہ تھا۔ یہ گذشتہ
تلطفات و احسانات کا اشارہ ہے۔ تا محسن حقیقی کے آیندہ فضلوں کیلیے ایک نمونہ ٹھہرے اور ثابت کرے کہ
ملہم جو اسوقت بالکل گمنام اور کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہوا تھا اور اُسکو اپنے گاؤں سے باہر کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اسپر
ایک ایسا وقت آنیوالا ہے۔ کہ اُسکی شہرت اور عزت اور اُس کی تعلیمات کا غلبہ تمام دنیا پر پھیل جائیگا۔ پھر صفحہ
۴۹۰ پر ہے " نُصرت بالرعب واحییت بالصدق ایھا الصدیق۔ نصرت وقالوا لات
حین مناص۔ اردت ان استخلف فخلقت آدم۔ انی جاعل فی الارض۔ یعنی تُو رعب کے ساتھ
مدد کیا گیا اور صدق کے ساتھ زندہ کیا گیا اے صدیق! تُو مدد کیا گیا۔ اور مخالفوں نے کہا کہ اب گریز کی جگہ نہیں۔ یعنی
امدادِ الٰہی اس حد تک پہنچ جائیگی کہ مخالفوں کے دل ٹوٹ جائیں گے اور انکے دلوں پر یاس مستولی ہو جائیگی اور حق
آشکارا ہو جائیگا۔ میںنے اپنی طرف سے خلیفہ کرنیکا ارادہ کیا سو میںنے آدم کو پیدا کیا۔ میں زمین پر کرنیوالا ہوں۔ یہ
اختصاری کلمہ ہے۔ یعنی اُسکو قایم کرنیوالا ہوں۔ اسجگہ خلیفہ کے لفظ سے ایسا شخص مراد ہے کہ جو ارشاد اور
ہدایت کیلیے بین اللہ و بین الخلق واسطہ ہو۔ خلافت ظاہری کہ جو سلطنت اور حکمرانی پر اطلاق پاتی ہے۔ مراد
نہیں ہے۔ اور نہ وہ بجز قریش کے کسی دوسرے کیلیے خدا کی طرف سے شریعت اسلام میں مسلم ہو سکتی ہے بلکہ
یہ محض روحانی مراتب اور روحانی نیابت کا ذکر ہے۔ اور آدم کے لفظ سے بھی وہ آدم جو ابو البشر ہے مراد نہیں۔
بلکہ ایسا شخص مراد ہے۔ جس سے سلسلہ ارشاد اور ہدایت کا قایم ہو اور روحانی پیدایش کی بنیاد ڈالی جائے
گویا وہ روحانی زندگی کی رو سے حق کے طالبوں کا باپ ہے۔ اور یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ جس میں روحانی سلسلہ
کے قایم ہونیکی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ اُس سلسلہ کا نام و نشان نہیں" پھر اس کے بعد روحانی
آدم کا روحانی مرتبہ بیان فرمایا (صفحہ ۴۹۲-۴۹۳) اس مشہور و معروف کتاب کے صفحوں کے صفحے ایسے الہامات سے بھرے ہوئے
ہیں۔ جو اس ملہم کی عظیم الشان آیندہ کامیابیوں کی پیشگوئی کرتے ہیں۔ لیکن اس موقع پر ہم نے انہیں چند الہامات
کے لکھنے پر اکتفا کیا ہے کیونکہ ہماری غرض یہ نہیں تھی کہ ہم سارے الہاموں کو اس موقع پر جمع کریں ہم امید کرتے ہیں
کہ یہ دو اقتباس ہی اس بات کے لیے کافی ہونگے کہ ہمارے ناظرین کو یہ بات ثابت ہو جائے کہ کس گمنامی کے زمانہ
میں کیسی بڑی اور عظیم الشان کامیابیوں کی پیشگوئی ظاہر کیگئی ہے۔ ان واقعات کی بنا پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئیاں
ایسی عظیم الشان اور واضح اور صاف ہیں کہ جن کی نظیر موجود نہیں۔ وہ سب حقایق ہیں۔ اور یہ حقایق ایسے ہیں۔
کہ جو شخص انکی صداقت کا ثبوت سمجھنے کیلیے ذرا بھی کوشش کرے تو اُسپر اُسکا کھل جانا بہت آسان ہے۔

یہ اُس قسم کا معجزہ نہیں کہ جسکے دیکھنے اور تصدیق کرنیوالوں پر کسی قسم کے اعتراضات ہوسکیں۔ کیونکہ اسکی شہادت اور تصدیق زبانی نہیں بلکہ نہایت صاف اور واضح الفاظ میں تحریری تصدیق اور شہادت ہے جو چوتھائی صدی سے چھپکر شایع ہوچکی ہے۔ اور جسکے بیان و الفاظ میں کوئی تغیر نہ واقعہ ہوا ہی اور نہ ہوسکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی غالی اور مداح کے مبالغہ کا رنگ کارگر ہوسکتا ہے۔ کتاب براہین احمدیہ جس میں یہ پیشگوئیاں درج ہیں اسکی ہر جلد کے ٹائٹل پیج پر اور اسکے ہر اشتہار پر تاریخ اشاعت لکھی ہوئی موجود ہیں۔ اور یہ ایک ایسی ثابت شدہ بات ہے کہ جس سے کوئی سمجھدار انسان انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر کسی صاحب کے انکار کا جنون بیانتک بڑھ گیا ہو اور اس کی اشاعت کے زمانہ کا مزید ثبوت حاصل کرنیکے درپے ہو تو وہ سرکاری کاغذات میں سے تسلی کرلیوے۔ اور شہر لنڈن کے برٹش میوزیم میں دیکھ لیوے جہاں اسکی جلدیں موجود ہیں۔ براہین احمدیہ کوئی ایسی گمنام کتاب نہ تھی کہ جس کی اشاعت بھی ہوگئی ہو اور پبلک نے اسکو دیکھا بھی نہ ہو۔ بلکہ یہ ایک ایسی مشہور کتاب ہے کہ شایع ہوتے ہی سارے ہندوستان میں اسکی دھوم مچگئی۔ اور کئی مخالف و موافق ریویو اسپر شایع ہوئے۔ یہ تو ایک پہلوان کی طرح ملک کے میدان میں کھڑے ہوکر سارے اہل مذہب کو للکار للکار کر پکار رہی تھی کہ جو کوئی چاہے میرا مقابلہ کرے اور اسلام کی تائید میں جو دلایل قرآن شریف سے مجھ میں لکھے ہیں انہیں توڑنے اور اپنے مذہب کی تائید میں اُسی قسم کے زبردست دلایل دکھلانے میں کامیاب ہو تو دس ہزار روپیہ کا انعام مصنف سے پائے۔ پھر طرفہ یہ کہ اس مضمون کے ہزارہا اشتہارات اردو و انگریزی میں چھپکر سارے ہندوستان بلکہ ساری دنیا کے ہر ملت و مذہب کے لوگوں کو پہنچائے گئے۔ ان ساری باتوں سے پایا جاتا ہے کہ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں تھی اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ یہ اسی زمانہ میں شایع ہوچکی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اور مذکورہ بالا عظیم الشان پیشین گوئیاں بھی اسی زمانہ کی شایع شدہ ہیں۔ اسلیے اس بات سے انکار کی کوئی گنجایش نہیں ہوسکتی کہ یہ پیشین گوئیاں اسی طرح اسکے ساتھ ہی بکثرت شایع ہوئیں۔ اور ہر دشمن و دوست اور اپنے پرائے کے ہاتھ میں پہنچیں اور ایسے زمانہ میں پہنچیں جو آج سے پچیس سال پیشتر تھا۔ امر اشاعت کے بعد دوسرا امر دیکھنے والا ان پیشگوئیوں کا نفس مضمون ہے۔ ان میں خبر دیگئی ہے کہ ملہم پر ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ جب ہر دور کی راہ سے لوگ اُس کے پاس جوق جوق آئیں گے۔ اور ان زائرین کی اتنی کثرت ہوگی کہ وہ تھکا دینے والی ہوگی۔ یہ بھی خبر دیگئی ہے کہ اسکی سخت مخالفت کیجائیگی۔ اور تمام مخالفت خدا کے دست قدرت سے دور کردیجائیگی۔ یہ پیشگوئیاں ایک معجزہ ہیں۔ اور اس امر کے مزید ثبوت کے لیے یہ امر دکھانا ضروری ہے کہ جسوقت ملہم نے اسکو بیان کیا تھا اسوقت نہ تو اسکا کوئی مرید ہی تھا اور نہ ہی کوئی مخالف ایسا تھا جو اُسے تباہ کرنے اور نیست و نابود کرنے پر تُلا ہوا ہو۔ اب اس پیشگوئی کے پورا ہونے اور معجزہ کی تکمیل کو ثابت کرنیکے لیے ضروری ہے کہ یہ تمام باتیں جیسی کہی گئی ہیں اُسی طرح انکا پورا ہونا بھی ثابت کیا جاوے۔ اس لیے

ہم اب اس بارہ میں عمدہ براہونیکی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور سب سے پہلے امر اول کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اس امر کے ثبوت میں جو شہادت موجود ہے وہ صرف چند ایسے آدمیوں کی شہادت نہیں جن کو اس کے ساتھ کسی نہ کسی قسم کا ذاتی تعلق ہے۔ نہ ہی وہ لوگ گواہی میں پیش کیے جاتے ہیں جن کی نسبت کسی طرح سے ایسا گمان ہو سکتا ہو کہ انکی نیت میں دوسروں کو دھوکہ اور گمراہی میں ڈالنا مرکوز تھا۔ یہاں تو کسی دوست کی شہادت پیش ہی نہیں کیجاتی بلکہ دشمنوں کی شہادت دیجاتی ہے۔ حضرت ممدوح کے خطرناک جانی دشمن اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جسوقت کتاب براہین احمدیہ اور اُس کے مندرجہ مذکورہ بالا الہامات شائع کیے گئے تھے اُس زمانہ میں وہ کنج خلوت میں تنہا اور گمنام انسان تھا۔ اور یہ ایسا مسلمہ امر ہے کہ لاکھوں لوگوں نے طرح طرح سے مخالفت میں حیلہ سازیاں اور منصوبے کیے اور بہت کچھ ناحق باتیں بھی بنائیں۔ لیکن اس امر کا کسی طرح سے انکار نہ کر سکے۔ علاوہ بریں جو الہامی عبارات اوپر درج کی گئی ہیں انسے صاف طور پر عیاں ہو رہا ہے کیونکہ ان پیشگوئیوں کی اشاعت سے پہلے ایک عبارت موجود ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ان مبارک پیشگوئیوں میں اللہ تعالیٰ جو اپنے بندہ کو اسکی تائید کی خبریں پیش از وقوع بتلاتا ہے اور بڑے بڑے عمیق رازوں اور اسرار عالیہ کو بہت حیرت انگیز طور پر انکشاف فرماتا ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جو شخص ان باتوں کو غور سے دیکھتا ہے اور صاف اور پاک نظر سے اُنکی عظمت اور وقوع پر غور کرتا ہے اسکو بلا اختیار ایک ضروری اور جازم یقین سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ خدا کے مُنہ کی باتیں ہیں۔ اور اُسی کی عطا کردہ تائیدیں ہیں۔ اور یہ کہ یہ تمام مواہب لدنیہ اور برکات و انوار الٰہیہ جن سے ہر ایک مذہب محروم ہو چکا ہے صرف اسلام ہی میں موجود اور محصور و محدود ہیں۔ اور اسکے سوائے کہیں پائی نہیں جاتیں۔ ان کشوف اور الہامات کے اسقدر عرصہ دراز قبل از وقوع لکھنے کا یہ باعث تھا کہ جسوقت یہ آیندہ زمانہ میں پورے ہوں تو اسکی حقیقت حقہ کو ہر ایک آدمی بہ یقین کامل سمجھ لے اور یہ بات عیاں ہو جائے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اور اُس کے بزرگ مُنہ کی باتیں ہیں۔ پس اس رنگ میں ان امور کا لکھنا خود ثابت کرتا ہے کہ یہ پیشگوئیاں بطور ایک معجزہ کے پیش کیگئی تھیں۔ اور اگر انکا پورا ہونا معجزہ نہ ہوتا تو اسیوقت یہ اعتراض کیا جاتا۔ انہی پیشگوئیوں میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اُس کی سخت مخالفت کیجائیگی۔ اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ حضرت میرزا غلام احمد صاحب کی جسقدر مخالفت کیگئی ہے اسکی نظیر صرف انبیاء کے حالات میں مل سکتی ہے کوئی پہلو مخالفت کا مخالفوں نے نہیں چھوڑا۔ اور انپر الزام لگانیمیں جھوٹ کی کسی شق کو اٹھا نہیں رکھا۔ اگر ان پیشگوئیوں کی اشاعت کے وقت حضرت ممدوح کا کوئی بھی مرید ہوتا تو کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ مخالف اس امر سے خاموش بیٹھے رہتے۔ لیکن وہ اسوقت ایسے گمنام تھے کہ جس جس مخالف نے اس وقت ان پیشگوئیوں کو دیکھا یا سُنا اُس نے مضحکہ اُڑایا اور ٹھٹھا مارا۔ کیونکہ وہ ان کو امر محال اور ناممکن سمجھتے تھے۔ اور قیاس کیونکر ایسی باتوں کے کسیوقت پورا ہونیکو مان سکتا تھا۔ کیونکہ معمولی اس

بات کا وجود بھی نہ تھا۔ قادیان جیسے گمنام گاؤں میں جہاں نہ کوئی دینی مکتب مدرسہ تھا اور نہ کوئی ذریعہ حصول علوم موجود تھا اور نہ ہی وہ کسی مشہور و معروف شہر کا کوئی حصہ ہی تھا وہاں بیٹھے ہوئے ایک گمنام خلوت نشین درویش مزاج للکار کر کہہ رہا ہے کہ عنقریب ایک وقت آنیوالا ہے کہ میری زیارت کیلئے میری خدمت کے لیے مجھ سے فیض حاصل کرنیکے لیے چار اطراف عالم سے لوگ بھاگے چلے آوینگے۔ اور بہت کثرت سے آوینگے۔ ایسی حالت میں اسپر مضحکہ نہ اُڑایا جاتا تو اور کیا کیا جاتا۔ کون مان سکتا تھا کہ ایسی باتیں کبھی پوری ہوسکیں گی، اور ایک تیسری بات بھی ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ ان پیشگوئیوں کے بیان کرنیکے وقت حضرت ممدوح ایک گمنام انسان تھے جنہیں شہرت جانتی ہی نہ تھی۔ اور کوئی انکا مرید اور ساتھی نہ تھا۔ یہ وہ شہادت ہے جو خود مضمون الہامات سے ملتی ہے۔ ہم نے ابھی کچھ حصہ اسکا اوپر دونوں پیشگوئیوں کے ذکر میں لکھدیا ہے جنہیں سے ایک میں لکھا ہے کہ وہ وقت قریب آرہا ہے کہ جب لوگوں میں تو پہچانا جائیگا جسکا ماحصل یہ ہے کہ اُسوقت لوگ آپ کو نہ جانتے تھے۔ اور ایک اور الہام سے آپکا تنہا اور گمنام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہے ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئًا مذکورًا الخ یعنی کیا تجھ پر وہ وقت نہیں آیا کہ جب تیرا ذکر ہی دنیا میں نہ تھا'' یعنی کوئی نہ جانتا تھا کہ تُو کون ہے۔ اس الہام میں ہم کو اپنی موجودہ حالت آیندہ کامیابی کی زمانہ میں یاد کرائی گئی ہے ایسا ہی ایک اور الہام ہے جس میں بطور دعا یہ پیشگوئی درج ہے اور وہ یہ ہے۔ رب لا تذرنی فردًا وانت خیر الوارثین یعنی کہ میرے خدا مجھے تنہائی کیحالت میں رہنے دیجو۔ اور تُو تو خیر الوارثین ہے'' اس سے ثابت ہے کہ اُسوقت ملہم تنہا اور گمنام تھا۔ اب صرف ایک اس بات کو ثابت کرنا باقی ہے کہ آیا فی الحقیقت یہ پیشگوئیاں وقوع میں آئیں اور پوری ہوئیں یا نہیں؟ یہ ایک ایسی عیاں بات ہے کہ جو مزید ثبوت کی محتاج نہیں۔ حضرت ممدوح نے جس سلسلہ کو قایم کیا ہے اسکا نام سلسلہ عالیہ احمدیہ ہے۔ اور یہ سلسلہ قریبًا دنیا کے ہر گوشہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اور ہر ایک آدمی اس سے واقف ہے۔ اگر کسی صاحب کو اس بات پر اطمینان نہ ہو اور وہ اس آفتاب کی طرح عیان حقیقت پر مزید ثبوت چاہتے ہوں۔ وہ خود اسکی تحقیقات کرکے اطمینان حاصل کرلیں۔ اس گمنام اور تنہا شخص کے مریدوں کی تعداد اب کئی لاکھ ہوگئی ہے اور دن بدن ترقی پر ہے لوگ جوق در جوق اطراف عالم سے ہر روز قادیان میں حضور ممدوح کی خدمتمیں چلے آتے ہیں اور برکت صحبت اور دیدار سے شرف فیض حاصل کرتے ہیں۔ اور کئی مرتبہ سال میں اسقدر جم غفیر جمع ہوجاتا ہے کہ مصافحہ کیلیے ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے ہی انسان تھک جاتا ہے۔ اور یہ حال دیکھ دیکھ کر خدا کے کلمات لا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس آفتاب نصف النہار کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں۔ اور انہیں پورا ہوتے دیکھ کر ایمان و عرفان بڑھتا ہے۔ اگر بنظر عمیق غور کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ یہ پیشگوئی بہت ہی عظیم الشان اور بہت ہی قابل قدر ہے۔ اور یہ ایسا زبردست اور صریح الثبوت معجزہ ہے کہ جس کے برابر ثبوت کی صفائی کے پہلو سے انبیائے بنی اسرائیل کی تواریخ میں کوئی نظیر نہیں پائی جاتی۔ اس الہام میں یہ پیشگوئی ہے کہ ملہم ایک عظیم الشان انسان ہوگا۔ اور سخت تریں مخالفتوں کی بوچھاڑ میں

اسکی فتوحات اور کامیابیاں کامل ہوجائینگی۔ اس سے صاف طور پر عیاں ہورہا ہے کہ خطرناک مقابلہ حق و باطل کا ہوگا۔ اور اہل باطل اس ملہم کو نیست و نابود کرنیکے لیے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھیں گے یہی مطلب الہام یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ سے پایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے الہام کا یہ مضمون ہے کہ آخر کار جب باوجود خطرناک مخالفتوں کے خدا تعالیٰ کی نصرت یہانتک اسکا ساتھ دیگی کہ وہ کامیاب اور ناصر و منصور ہوجائیگا۔ تو دشمن ان کامیابیوں کو دیکھ کر مایوسی میں گرفتار ہوجائیں گے۔ اور اُنکو اسوقت معلوم ہوجائیگا کہ انکی مخالفتوں نے انہیں کچھ بھی فایدہ نہ دیا۔ بلکہ خدا کے زبردست ہاتھ نے ملہم کی تائید ایسی زبردستی سے کی کہ انکے سب منصوبے خاک میں مل گئے۔ غرض براہین احمدیہ میں بہت سارے الہامات سے پتہ ملتا ہے کہ اس ملہم کی سخت مخالفت کیجائیگی۔ اور انجام کار تمام مخالفین خاک میں مل جائیں گی۔

واضح رہے کہ اس کتاب کے شایع ہونیسے آٹھ برس بعد تک ملہم ایسی ہی حالت میں رہا۔ نہ کوئی سلسلہ ہی قایم ہوا اور نہ ہی کوئی مخالفت پیش آئی۔ پھر اسکے بعد خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک نیا سلسلہ جسکا نام اوپر سلسلہ احمدیہ بیان کر دیا گیا ہے قایم کیا گیا۔ اس سلسلہ کے قایم ہوتے ہی مخالفوں میں عداوت کا ایسا جوش اُٹھا کہ چاروں طرف سے بہت زور کی مخالفت اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اس کی یورش ایسے زور آور طور پر ہوئی کہ کسی انسان کا بجز تائید ربانی کے اس کے مقابل میں کامیاب ہونا تو درکنار کھڑے رہنا بھی ممکن نہ تھا۔ سارا ہندوستان ایک سرے سے دوسرے سرے تک مخالفت پر تل پڑا۔ مولوی لوگوں نے قلمیں اُٹھا کر مسیح موعودؑ کی تکفیر کے فتوے دیکر جاہلوں میں جوش پھیلایا۔ اور حضرت ممدوح کے مریدوں کو بھی کافر ٹھہرا کر ہر قسم کے جور و غضب و افترا کو انکے برخلاف کام لانیکو جائز قرار دیا۔ اس بیچاری غریب اور تھوڑی سی جماعت کو طرح طرح کے مظالم کا نشکار بنایا۔ انہیں اپنی سوسائٹی سے کاٹ دیا۔ اور انکا مسجدوں میں داخل ہونا منع کر دیا۔ اور فتویٰ دیدیا کہ ان کے مسجد میں داخل ہونے سے مسجد ناپاک ہوجاتی ہے۔ اور انکی میتوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن ہونیسے روکنے کا فتویٰ دیا اور اعلان کر دیا کہ یہ ناپاک ہیں۔ اور انکے دفن ہونے سے قبرستان ناپاک ہوجاتے ہیں۔ یہ بھی فتویٰ دیا گیا کہ انکے نکاح نکاح نہیں ہر ایک مسلمان پر جائز بلکہ واجب ہے کہ انکی عورتیں اور انکے اموال و املاک ہر طرح سے چھین لے۔ اور یہ بھی فتویٰ دیا گیا کہ جو شخص اس مدعیٔ مسیحیت و مہدویت کو قتل کریگا اسکو بہت بڑا ثواب ملیگا۔ اور یہ بھی فتویٰ دیا گیا کہ انکو نقصان پہنچانیکے لیے ہر قسم کا جھوٹ۔ فریب۔ دغا۔ خیانت بدنیتی وغیرہ جائز بلکہ کار ثواب ہیں۔ الغرض طرح جہلا کو مخالفت پر آمادہ کرنے اور انکے غیظ و غضب کو بھڑکانے میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی۔ یہ ایسی حالت ہوگئی تھی کہ اگر انسان ہی کا منصوبہ ہوتا تو یہ سلسلہ کبھی کا تباہ ہوگیا ہوتا۔ لیکن یہ خدائی ہاتھ اور خدائی وعدے تھے کہ جس نے یہ ساری مخالفت تہ خاک ملادی۔ اور اس سلسلہ کی ترقی شروع ہوگئی۔ اور اسکی قوت و تعداد روز افزوں ہوتی گئی۔ یہانتک کہ آج تک تین لاکھ سے زیادہ انسان حلقۂ بیعت میں داخل ہوچکے ہیں۔ یہ تمام باتیں اس بات کا صریح ثبوت ہیں کہ یہ ایک عظیم الشان

معجزہ ہے جس سے اس مدعی مسیحیت و مہدویت کے دعاوی کی تصدیق اور خداوند قادر مطلق اور علام الغیوب کی ہستی کا ثبوت کامل طور پر ملتا ہے۔ آج سے پچیس بلکہ اس سے بھی زیادہ برس پہلے جبکہ ملہم اکیلا اور بے یار و مددگار تھا۔ نہ اسکو کچھ شہرت ہی حاصل تھی اور نہ کوئی مرید ہی رکھتا تھا۔ تو اس حال میں اُسکو بشارت دی گئی کہ تو اکیلا نہیں چھوڑا جائیگا۔ بلکہ تجھے متبعین کی جماعت کثیر دیجائیگی۔ اور دنیا کے ہر اطراف و اکناف اور دُور دُور سے لوگوں کا اتنا ہجوم تیرے پاس آتا رہیگا کہ تو تھک جائیگا۔ اور وہ تیرے سلسلہ کی اشاعت میں تیری مدد کریں گے۔ پھر ایک اور امر جو پیشین گوئی میں درج تھا یہ تھا کہ مخالف لوگ اپنی کوششوں اور حیلہ بازیوں سے اُس نور کو بجھانا اور مٹانا چاہیں گے جو خدا تعالیٰ نے تیرے ہاتھ سے منور کرایا ہے۔ لیکن انکی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی اور سب منصوبے نیست و نابود کیے جائیں گے۔ ان پیشگوئیوں کی اشاعت اور انکے پورے ہونے کے ثبوت پر ایسا کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا جو عام طور پر معجزات کی صداقت سمجھنے پر ہو سکتے ہیں۔ کوئی عقلمند انسان کبھی باور نہیں کر سکتا کہ یہ حیرت انگیز انکشاف اسرار غیبیہ جن کے سمجھنے سے قیاس و وہم قطعی طور پر عاجز ہیں۔ کسی انسانی تخمینہ و اندازہ سے بیان کیے جا سکتے ہیں بلکہ صرف اُس علام الغیوب قادر مطلق خدا کے الہام ہی کے ذریعہ سے ایسے امور قبل از وقت بیان کیے جانے ممکن ہیں۔ اُسوقت کوئی سبب ایسا موجود نہ تھا کہ جس سے کوئی فہیم سے فہیم یا دانا سے دانا انسان بھی ایک لمحہ کے لیے قیاس کر سکتا کہ ایسا گمنام اور خلوت نشین بے یار و مددگار انسان جسے دنیا میں کوئی جانتا بھی نہ تھا اور جو ایک گمنام گاؤں میں بگوشۂ عزلت پڑا ہوا تھا کسی دن لاکھوں انسانوں کا امام و پیشوا ہو سکے گا۔ اگر انسانی طاقت ایسے امور اس طرح منکشف کر سکتی ہے تو پھر اسکی اور مثالیں بھی موجود ہونی ضروری ہیں۔ یہ ایسی عظیم الشان پیشگوئی ہے کہ جس کے ہر پہلو پر نگاہ ڈالنے سے اس کی عظمت ہی ثابت ہوتی ہے۔ جب ہم اس پیشگوئی پر نظر کرتے ہیں کہ لوگ اس کے پورا ہونے کی راہ میں مخالفت کی وجہ سے طرح طرح کی رُکاوٹیں ڈالیں گے۔ اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ تھا کہ ان تمام رُکاوٹوں کو بے پا کر کے وہ اپنے وعدوں کو پورا کر کے چھوڑیگا۔ اور وقوع میں بھی اسی طرح آیا۔ تو کیا کسی انسان کی طاقت ہے کہ وہ ساری دنیا کو ایسا چیلنج کرے اور پھر یقیناً کامیاب ہو؟ ہرگز نہیں! بلکہ انسان تو یقین کے ساتھ اتنا بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کل تک زندہ رہیگا۔

یہانتک تو ہم نے مختصر طور پر ثبوت پیش کر دیے ہیں۔ اب انہیں بیان کرنیکے بعد ہم ہر ایک راستی کے طلبگار۔ دہریہ عیسائی۔ ہندو۔ مسلمان یا دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی خدمت میں اپیل کرتے ہیں۔ جو لوگ خدا کو مانتے ہیں اور اُسکی ہستی اور قدرتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ انکی خدمت میں اس کے بزرگ نام سے ہم اپیل کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اُسکو نہیں مانتے اور اُسکی ہستی پر یقین نہیں رکھتے انکی خدمت میں انصاف اور راستی کے نام سے ہم اپیل کرتے ہیں۔ اور اُنسے استفسار کرتے ہیں کہ بحالات مندرجہ بالا یہ شہادت جو ہم نے لکھی ہے اس بات کے ثبوت کے وجوہ پیدا کرنیکے لیے کافی ہے کہ نہیں کہ ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے سے جو معجزہ ظاہر ہوا ہے وہ انسانی طاقت اور قیاس سے باہر ہے؟

ہرایک حق جو حق پسند پر لازم ہے کہ اس شہادت کا موازنہ کرے اور ان واقعات پر غور کرے۔ اور اس غور و خوض کے بعد اگر کوئی معقول وجہ اُسے ایسی نظر آوے کہ جس سے کوئی معقول اعتراض اس نتیجہ کے یقینی ہونے پر عاید ہو سکتا ہے تو از راہ انصاف پروری وحق جوئی اُس سے مجھے اطلاع دیں کہ مَیں اُسکے دُور کرنیکی اور انکو اطمینان دلانے کی کوشش کروں۔ بہت لوگ مسیح موعودؑ کے متعلق بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور بہت لکھیں گے۔ لیکن ہم معقول پسند لوگوں کے انصاف کو اپیل کرتے ہیں کہ سب سے پہلے وہ ان امور کی تحقیقات کرلیں۔ اور اس معجزہ پر اپنا فیصلہ ظاہر کرنیکے بعد کسی اور طرف متوجہ ہوں۔

قرآن کریم کی حفاظت اور جمع

(۱) قرآن کریم کی حفاظت کا الٰہی وعدہ

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (سورۃ الحجر آیت ۹) یعنی اُس قرآن کو ہم نے آپ ہی نازل کیا ہے اور اسکی حفاظت ہم خود ہی کرینگے۔" خداوند کریم جو عیب اور نقص سے پاک ہے اس کے وعدوں کو جب دیکھا جاتا ہے اور پھر اُنکے پورا ہونے پر غور کیا جاتا ہے تو اسکی عظمت اور جلال پر دل اور بھی زیادہ ایمان اور عرفان سے معمور ہوتا ہے۔ اور جس عیاں اور زبردست طور پر اُسکے وعدے پورے ہوتے ہیں انکا اعتراف نہ صرف مومن ہی کو ہوتا ہے بلکہ غیر مومن بھی طوعاً و کرہاً اُسپر گواہی دینے کیلیے مجبور ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ الٰہی جو آیت مندرجہ عنوان میں دیا گیا تھا جس عظمت اور صفائی کے ساتھ اُس کے پورا ہونیکی حقیقت دنیا پر آجتک ثابت اور ظاہر ہوئی ہے وہ ایسی روز روشن کی طرح چمکتی ہے کہ بڑے بڑے مخالفان قرآن کریم بھی انکی واقفیت اور حقیقت پر بے ساختہ شہادت دے اُٹھے ہیں۔ ہم اسجگہ ایک بڑے پایہ کے درجہ کے دشمن اسلام کے الفاظ ہی نقل کرنے پر کفایت کرینگے جسکا نام سر ولیم میور ہے اور جس نے پادریوں کو صلیب پرستی کی مسلمانوں میں ترویج اور تبلیغ واشاعت کی امداد اور اسلام کی مخالفت کیلیے کتاب لائف آف محمد لکھی اور شایع کی تھی۔ اس کتاب کے دیباچہ کے صفحہ ۲۱ (طبع سوم) پر اس نے قرآن کریم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "جہانتک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس (قرآن کریم) کی طرح بارہ[12] صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو۔" اور پھر ایک دوسرے عیسائی وان ہیمر کا قول نقل کرتا ہے کہ "ہم ایسے ہی یقین کے ساتھ قرآن (شریف) کو بعینہٖ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیساکہ مسلمان اسی

خدا کا کلام سمجھتے ہیں" جس میں صاف اعتراف اس بات کا پایا جاتا ہے کہ جو قرآن شریف اسوقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے یہ بلا کم وکاست وہی قرآن کریم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ اور اسکی کسی عبارت یا کسی لفظ میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی۔

یہاں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسے اسباب اور حالات تھے جن کی وساطت سے یہ مقدس ترین کتاب ہمیں بغیر کسی تحریف اور آمیزش کے ٹھیک اسی طرح پہنچی جس طرح ہمارے سید ومولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم پر نازل ہوئی تھی؟ ان اسباب کا تعلق مذہب اسلام کی تاریخ کے دو مختلف زمانوں کے ساتھ ہے یعنی اول زمانہ حیات نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرا زمانہ خلفائے راشدین جنہوں نے کمال دیانت اور امانت کے ساتھ اس مقدس کلام کو آیندہ نسلوں تک ٹھیک اسی طرح پہنچایا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے چھوڑا تھا۔ سن ۱۹۰۵ء میں پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور کی طرف سے ایک کتاب مسمی بہ تاویل القرآن اُردو زبان میں شایع ہوئی تھی جس کے مصنف نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ اس کتاب میں گمنام مصنف نے آیت مذکورہ عنوان کے متعلق بھی خامہ فرسائی کرنیکی جرأت کی ہے اور لکھا ہے کہ اس آیت میں الذکر سے مراد مطلق قرآن شریف نہیں بلکہ تمام کتب سماوی مراد ہیں پیش قبل ان اسباب کو بیان کرنے کے جنکا ذکر اوپر ہوا ہے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مصنف تاویل القرآن کی غلطی کو ظاہر کیا جاوے۔ اس میں شک نہیں کہ لفظ ذکر جیسا قرآن شریف کے لیے بولا گیا ہے دوسری کتب سماوی کے لیے بھی بولا گیا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا اس خاص موقعہ پر جہاں آیت زیر بحث میں یہ لفظ آیا ہے وہاں مراد اس سے قرآن کریم ہے۔ یا جملہ کتب سماوی۔ سو خود قرآن کریم کے پڑھنے سے اور آیت زیر بحث کے ماقبل اور مابعد پر غور کرنیسے یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔ آیت مذکورہ سورہ حجر کی نویں آیت ہے اور سورہ شریفہ اسطرح پر شروع ہوتی ہے۔ الٓر۔ تلک آیات الکتٰب و قرآنٍ مبین۔ اور پھر چھٹی آیت سے آیت زیر بحث تک کلام الٰہی میں یوں وارد ہوا ہے وقالوا یایھا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون۔ لوما تاتینا بالملٰئکۃ ان کنت من الصٰدقین۔ ما ننزل الملائکۃ الا بالحق وما کانوا اذاً منظرین۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ ترجمہ: "اور کافروں نے کہا کہ اے شخص جس پر الذکر اُتارا گیا ہے تو تو دیوانہ ہے۔ اگر تو سچا ہے تو فرشتوں کو ہمارے سامنے کیوں نہیں لاکھڑا کرتا۔ سو ہم فرشتوں کو نہیں بھیجا کرتے مگر فیصلہ کے لیے۔ اور (جب فرشتے نازل ہونگے تو) پھر انکو مہلت بھی نہ ملیگی۔ بیشک ہم ہی نے الذکر اُتارا ہے اور بیشک ہم ہی اسکی حفاظت بھی کرینگے" ان چار آیتوں میں دو جگہ لفظ الذکر آیا ہے۔ اور سلسلہ کلام سے ظاہر ہے کہ جو کچھ الذکر سے پہلی یعنی چھٹی آیت میں مراد ہے وہی مراد آخری یعنی نویں آیت یا آیت زیر بحث میں ہے۔ لیکن پہلی جگہ لفظ الذکر سے صاف مراد قرآن شریف ہی وہی قرآن مبین جسکا ذکر شروع سورۃ میں ہے۔ کیونکہ کافروں کا خطاب صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے ہی پس الذکر سے مراد قرآن شریف ہی ہوا نہ جملہ کتب سماوی۔ اور یہی مراد اس لفظ سے دونوں جگہ ہے۔
اسی بات کی تائید قرآن کریم کی اور آیات سے بھی ہوتی ہے مثلاً سورۃ حٰمٓ السجدہ کی آیات ۴۱-۴۲ میں بعینہ
اسی مضمون کو دوہرایا گیا ہے۔ ان الذین کفروا بالذکر لما جاءھم وانہ لکتاب عزیز۔
لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ ترجمہ: جن لوگوں
کے پاس (قرآن جیسی) نصیحت آئی اور انہوں نے اسکو نہ مانا (وہ بھی اپنا انجام کار دیکھ لیں گے) اور یہ (قرآن) تو
بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے (ہی کیطرف) سے اُسکے پاس پھٹکنے پاتا ہے اور نہ اس کے پیچھے
(کیطرف) سے (کیونکہ) حکمت والے سزاوار حمد (وثنا یعنی خدا) کی اُتاری ہوئی ہے۔" ایسا ہی اور بھی کئی آیات
ہیں جو صاف طور سے اعلان کر رہی ہیں کہ قرآن شریف میں شروع ہی سے یہ الٰہی وعدہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو ہر قسم کی
تحریف۔ آمیزش۔ تغیر و تبدل اور بربادی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھے گا۔ ابتدائی زمانہ سے ہی مسلمانوں کا یہ
اعتقاد چلا آتا ہے کہ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کو ہر قسم کے حملوں اور تصرف سے محفوظ رکھنے کا وعدہ
فرمایا ہوا ہے۔ حضرت مجاہد اور قتادہ جو تابعین میں سب سے پہلے مفسران قرآن ہیں وہ بھی اسپر اتفاق رکھتے ہیں
کہ آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون۔ اور آیت لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ
ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید سے یہی مطلب ہے کہ اس کلام پاک میں کوئی ایسا لفظ نہیں
ڈالا جائے گا جو کلام الٰہی نہ ہو۔ اور نہ ہی کوئی حصہ کلام الٰہی اس میں درج ہونے سے رہ جائیگا یا درج ہونیکے بعد نکالا
جاسکیگا۔ ایسا ہی یہ دونوں بزرگ اور انکے علاوہ تمام مفسرین قرآن کریم اس بات پر متفق ہیں کہ الذکر سے
مراد ان دونوں آیات میں قرآن کریم ہی ہے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر جلد ۱۴ صفحہ ۶ و جلد ۲۴ صفحہ ۷۱-۷۲۔ غرض
یہ ایک ایسی بین اور ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے پہلے اور پچھلے مفسرین ان آیات حفاظت قرآن کریم
کے متعلق وہی اعتقاد رکھتے تھے جو آجکل مسلمانوں میں متفقہ طور پر مروج و مسلم ہے۔ اور اس امر کی کافی
شہادت موجود ہے۔ اب ایسی صریح اور ثابت شدہ حقیقت پر جو آفتاب نصف النہار کی طرح چمک رہی ہے
بے اعتباری کا پردہ ڈالنا ایک بیہودہ اور احمقانہ کوشش نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے۔ مصنف تاویل القرآن
نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ کسی وعدے کا وجود اس بات کو ثابت نہیں کرسکتا کہ اُسکا ایفا بھی ہوگیا۔ اور اس لیے
وعدہ خود ثبوت نہیں ہو سکتا۔ ان کے اس خیال کے ساتھ تو ہم اتفاق کرتے ہیں۔ لیکن انہیں اس بات پر
غور کرنا چاہیئے کہ اس وعدے کے ساتھ ایسے واقعات موجود ہیں جن پر نگاہ انصاف ڈالنے سے صاف طور پر
عیاں ہوتا ہے کہ اس وعدہ کا ایفا نہایت صفائی اور عمدگی کے ساتھ ہوا ہے۔ کیونکہ اگر یہ وعدہ پورا نہ ہوا ہوتا
اور قرآن کریم میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کو دخل ہوگیا ہوتا۔ تو یہ ضروری تھا کہ ان دو باتوں میں سے ایک ضرور واقعہ

ہوتی یعنی یا تو جن لوگوں نے ان تصرفات و تغیرات کو دیکھا تھا یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم وہ اس کے کلام الٰہی ہونیکا انکار کرتے۔ یا ان آیات بینات کی جن میں حفاظت قرآن کا وعدہ ہے موجودہ تفسیر کے سوا کوئی اور تعبیر و تاویل کرتے لیکن یہ یقینی اور قطعی بات ہے کہ اسوجہ پر کسی نے قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے سے انکار نہیں کیا۔ بعض لوگ مرتد ضرور ہوئے مگر اس بنا پر کہ یہ وعدہ پورا نہیں ہوا کوئی مرتد نہیں ہوا اور نہ ہی کسی صحابی نے آیات وعدہ حفاظت قرآن کی کوئی اور تفسیر یا تاویل کی۔ بلکہ سب کے سب بالاتفاق اسی اعتقاد پر جمے رہے اور ایک صحابی کا نام بھی نہیں بتایا جاسکتا جس نے ان دو شقوں میں سے کوئی ایک اختیار کی ہو۔ بلکہ جن معنوں کا پتہ ہمیں تابعین سے ملتا ہے جن کے معلم اجلہ صحابہ تھے وہ وہی معنے ہیں جو ہم نے اوپر اختیار کیے ہیں اور جن کی بنا پر شروع سے لیکر آجتک تمام مسلمان قرآن کریم کی حفاظت کے الٰہی وعدے کو سچا یقین کرتے چلے آئے ہیں۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان لفظوں کے یہی معنے کرتے تھے۔ انکے سوا کوئی اور مطلب ان الفاظ کا ان سے کہیں ثابت نہیں۔ اگر وہ ان الفاظ کے کوئی اور معنے کرجاتے تو ضرور تھا کہ وہ ہم تک بھی پہنچتے۔ جیسا کہ ایک اور پیشگوئی کی تفسیر اور معنے بیان کرنے میں ہوا اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایکدفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اسرعکن لحوقا بی اطولکن یدا جس کے ظاہر معنے یہ ہیں کہ تم میں سے مجھے بعد وفات وہی پہلے ملے گی جس کے لمبے ہاتھ ہیں۔ چنانچہ وہ حدیث جو صحیح مسلم میں بروایت حضرت عائشہ اُم المومنین درج ہے۔ ذیل میں نقل کیجاتی ہے عن عایشۃ اُم المؤمنین قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسرعکن لحاقا بی اطولکن یدا فکن یتطاولن ایتھن اطول یدا قالت فکانت اطولنا یدا زینب لانھا کانت تعمل بیدھا وتصدق۔

ترجمہ۔ حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے مجھ کو جلدی وہ ملے گی۔ جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ یہ بات سُنکر تمام ازواج مطہرات اپنے اپنے ہاتھ اس بات کے دریافت کرنیکے لیے ناپنے لگیں کہ کس کے سب سے لمبے ہاتھ ہیں۔ پھر آخر کار زینب رضی اللہ عنہا کے ہاتھ اُنکی سخاوت کی وجہ سے اس حدیث کی منشاء کے مطابق سب سے لمبے ثابت ہوئے" ان مقدس بیبیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُنکر اس کے یہی معنے سمجھے کہ گویا اس سے مراد جسمانی طور پر لمبے ہاتھ ہیں۔ اور اسی غلط فہمی سے ایکدوسرے سے ہاتھوں کو ناپنا شروع کردیا۔ لیکن احادیث کی کتابیں ایسی احتیاط اور امانتداری سے لکھی گئی ہیں کہ کسی قسم کی رعایت کے بغیر تمام امور کو درج کردیا گیا ہے۔ اُنکی یہ غلطی بھی حدیثوں میں صاف طور پر درج ہے اور اس کے صحیح معنے بھی کھلے طور پر لکھے ہوئے موجود ہیں۔ چنانچہ امام نودی نے اس حدیث کے معنے یہ لکھے ہیں۔ معنی الحدیث انھن ظنن ان المراد بطول الید طول الید الحقیقیۃ وھی الجارحۃ

فکن یذرعن ایدیھن بقصبۃ فکانت سودۃ اطولھن جارحۃ وکانت زینب اطولھن یدا فی الصدقۃ و فعل الخیر فماتت زینب اولھن فعلموا ان المراد طول الید فی الصدقۃ والجود قال اھل اللغۃ یقال فلان طویل الید وطویل الباع اذا کان سمحا جوادا- یعنی اس حدیث کے یہ معنے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلعم کی بیویوں نے یہی سمجھا تھا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد فی الحقیقۃ لفظی طور پر لمبے ہاتھ ہی ہیں- اور اس لیے انہوں نے اپنے ہاتھوں کی لمبائی کو ناپنا شروع کر دیا- ناپنے سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کی بیوی سودہؓ کے ہاتھ جسمانی طور پر لمبے تھے- اور حضرت زینبؓ صدقہ و خیرات میں سب سے دست دراز رکھتی تھیں- اور وہ ہی سب سے پہلے فوت ہوئیں- اُسوقت انکو معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کے اصل معنے یہ تھے کہ لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت اور خیرات اور صدقہ میں سب سے سبقت اور فوقیت تھی نہ کہ جسمانی پیمایش- اہل لغت ایسے فقرات کے یہی معنے کرتے ہیں چنانچہ جب کہتے ہیں کہ فلان طویل الباع یا فلان طویل الید تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے کہ فُلاں شخص بہت بڑا سخی اور فیاض طبع ہے- (دیکھو نووی حاشیہ مسلم) ایساہی حضرت امام بخاری اور مشہور و معروف صاحب فتح الباری بھی اس امر پر متفق ہیں کہ اس حدیث کے معنے ازواج مطہرات نے پہلے یہی سمجھے تھے- لیکن بعد میں اُنپر منکشف ہو گیا کہ اسکے معنے وہ نہیں جو انہوں نے سمجھے ہوئے تھے بلکہ سخاوت اور فیاضی میں سبقت مراد تھی- (دیکھو بخاری باب صدقات)

غرض اسلامی لٹریچر میں دین کو ایسا مقدم رکھا گیا ہے کہ کسی شخص نے کسی کی کبھی کچھ رعایت نہیں کی اور نہ ہی کسی- کا پاس خاطر سے کبھی کسی امر کا اخفا یا کم و بیش کر کے لکھا گیا- یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے ایک حدیث کے سمجھنے میں غلطی کھائی تو اکثر معتبر کتابوں میں اسکا ذکر موجود ہے- یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی تھی اگرچہ یہ پیشگوئی قرآن کریم کا کوئی حصہ نہ تھی لیکن آنحضرت صلعم کی فرمائی ہوئی تھی اس لیے وہ اپنے صحیح منطوق کے ساتھ پوری ہوئی- یعنی حضرت بیوی زینبؓ جو جود و سخا اور کرم و فیض میں سب بیویوں سے بڑھی ہوئی تھیں سب سے پہلے فوت ہوئیں اور سودہؓ پہلے فوت نہ ہوئیں جنکے ہاتھ جسمانی طور پر لمبے تھے جبکہ ایسی معمولی درجہ کی باتوں کے اختلافات اور معانی احادیث میں اسقدر دیانتداری اور احتیاط کے ساتھ درج ہیں تو قرآن کریم کی حفاظت کے وعدوں کی آیات جو ایک پہلو سے اصول اسلام میں شمار ہوتی ہیں اور ایسی اہم اور ضروری ہیں کہ ہر ایک کو انکے معانی کے ساتھ بڑا بھاری تعلق ہے تو ایسے اہم امر کی متعلقہ آیات کے لفظی معنوں اور اس عظیم الشان وعدہ کے ظاہری رنگ میں پورا ہونے میں ذرہ بھی اختلاف اور انحراف واقعہ ہوتا تو نہایت ضروری تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کثیر اس طرف جاتی کہ اس پیشگوئی سے مراد اسکا ظاہری الفاظ میں پورا ہونا نہیں بلکہ اس سے کچھ اور مطلب ہے- اور وہ مطلب بیان کرتے اور آیندہ نسلوں کو اس سے مطلع کرتے- لیکن حدیث کے اتنے بڑے ذخیرہ میں

کہیں کبھی جگہ صحیح اور مستند تو کیا کوئی ضعیف سے ضعیف حدیث بھی اس بات کی تائید میں نہیں ملتی جس میں صراحت سے
نہ سہی کنایتہً ہی یہ اشارہ ہو کہ یہ وعدہ الٰہی اپنے ظاہری معنوں میں پورا نہ ہوا تھا اور اسکی تاویل یہ کی گئی تھی کسی حدیث
میں اس بات کا صراحتاً یا کنایتاً ذکر نہ ہونا ایک ایسی زبردست دلیل قرآن کریم کے محفوظ رہنے کی ہے کہ اسکے بعد کسی
دلیل کے دینے کی حاجت نہیں رہتی۔ اور اس سے قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے
اور ان کی زندگیوں میں ایک حرف کی بھی تحریف یا تغیر تبدل یا کمی زیادتی نہیں ہوئی بلکہ صحابہ رضؓ کرام کے بعد بھی ہم
یہی بات دیکھتے ہیں چنانچہ وہ بزرگ قوم تابعین جنہوں نے بڑی محنتوں اور مشکلات سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی
اور دین کی خاطر صحابہؓ سے قرآن شریف سیکھا تھا اور احادیث حاصل کی تھیں اور انکی صحبت سے بہرہ اندوز ہوئے تھے
اس امر پر متفق ہیں کہ ان آیات سے یہی مراد ہے کہ قرآن شریف میں کوئی تصرف اور آمیزش کبھی راہ نہ پائے گی۔ اور
خدا اس کی خود نگہبانی کرتا رہے گا۔ اس تمام تحریر سے یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ آنحضرت صلعم کے
اصحاب رضؓ قرآن شریف کی حفاظت کی پیشگوئی مندرجہ قرآن کریم کا پورا ہونا ظاہری الفاظ کے موافق مانتے تھے۔ اور
اسپر یقین کامل رکھتے تھے کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ اور یہ وعدہ الٰہی ہے۔ اگر کسی طرح سے وہ اس وعدہ الٰہی میں تجاوز محسوس
کرتے اور اس بات کو دیکھ پاتے کہ قرآن شریف میں کوئی تصرف اور تحریف کسی طرح سے واقعہ ہو گیا ہے تو ایسے جوانمرد
راستبازی کے عاشق سچائی کے حامی اور شیدائی کبھی خاموشی اختیار نہ کرتے۔ لیکن ساری اسلامی تواریخ کے
اوراق دیکھ لو کہیں ایک حرف بھی ایسا نہ پاؤ گے کہ جس سے صراحتاً نہ سہی اشارتاً ہی اس کی تائید ہوتی ہو۔ کہیں یہ نہیں
دیکھو گے کہ صحابہ رضؓ کی جماعت بلکہ ان کے کسی ایک فرد متنفس نے بھی اس وجہ پر آنحضرت صلعم کی صداقت پر حرف
رکھا ہو۔ اسلامی تاریخ دوسرے مذاہب کی تاریخ کی طرح مخفی اور تاریک نہیں بلکہ نہایت مکمل اور مفصل اور معتبر تاریخ
موجود ہے۔ اسلیے یہ خیال کرنا سراسر غلط اور دھوکہ دہ ہوگا کہ ایسا عظیم الشان اور اہم امر واقعہ ہوا ہو اور چھوڑ دیا گیا ہو
یا وہ متاخرین کی نظروں سے ہی اُٹھا رہا ہو۔ صحابہ رضؓ کے حالات دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگ
نہ تھے کہ اس پیشگوئی کو بظاہر ناکام دیکھ لیتے اور خاموش بیٹھے رہتے۔ وہ ایسے دلیر اور سچائی کے لیے شجاع تھے کہ
اگر کہیں ذرہ سا شک بھی انکی طبیعت میں کسی امر پر پیدا ہوتا تو وہ بہت آزادی سے بیان کرتے۔ یہانتک کہ اگر
کوئی شبہ یا وسوسہ ان کے دلوں میں کسی وقت رہگیر ہوتا تو وہ آنحضرت سرور کائنات صلعم کے حضور میں بھی آزادی
تمام پیش کر دیتے۔ اور کبھی نہ رُکتے۔ ہم اُن کی اس جرأت کے متعلق بطور مثال ایک واقعہ کو پیش کرتے ہیں۔ اور
وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے رؤیا میں دیکھا کہ آپ (صلعم) مع جماعت طواف بیت اللہ کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ رؤیا
منجانب اللہ تھا۔ اس لیے چودہ سو سے کچھ زیادہ جماعت صحابہ رضؓ لے کر آپ (صلعم) مدینہ سے مکہ معظمہ کیطرف بارادہ
حج روانہ ہو پڑے۔۔۔۔۔۔ جب آپؐ مع جماعت حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو قریش مکہ اپنی جمعیت لیکر مقابلہ کیلیے آگئے

اور مزاحم ہوئے اور کہا کہ ہم اس سے آگے تمھیں بڑھنے نہیں دینگے۔ بہت ساری قیل و قال کے بعد اس مقام فریقین کے درمیان صلح تجویز ہوئی جس کا نام صلح حدیبیہ ہے اس صلح کی رو سے نہ صرف آنحضرت صلعم کو وہیں سے مدینہ کی طرف واپس ہونا ہی پڑا بلکہ اور بھی بعض ایسی باتیں منظور کرنی پڑیں جو صحابہؓ کو ناگوار گذریں۔ یہ شرائط عام طور پر مسلمانوں پر شاق گذریں کیونکہ انہیں حج کرنے کے بغیر وہیں سے واپس جانا پڑا۔ اسپر حضرت عمرؓ حضور رسالت مآب صلعم میں حاضر ہوئے اور مسلمانوں کے خیالات کو بدیں الفاظ پیش کیا۔ فقال عمر بن الخطاب فاتیت نبي الله صلی الله علیه وسلم فقلت الست نبي الله حقا؟ قال بلی! قلت السنا علی الحق وعدونا علی الباطل؟ قال بلی! قلت فلو نعطي الدنیة في دیننا اذا۔ قال اني رسول الله ولست اعصیه وهو ناصري قلت اولیس کنت تحدثنا انا سنأتي البیت فنطوف به؟ قال بلی! افاخبرتك انا ناتیه العام قال قلت لا قال فانك اٰتیه ومطوف به۔ یعنی حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے فرمایا۔ پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ خدا کے برحق رسول نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں بیشک میں خدا کا رسول برحق ہوں! پھر مینے عرض کیا کہ کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں بیشک! پھر مینے عرض کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ایسی مضر شرائط کو قبول کریں جو ہمارے دین کو نقصان پہنچانیوالی ہیں۔ اسپر آپ نے فرمایا کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ میں خدا کا رسول ہوں اور میں اسکے حکم کی نافرمانی نہیں کرتا اور وہی میرا مددگار ہے مینے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے یہ نہ فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ میں پہنچیں گے اور طواف کرینگے؟ آپ نے فرمایا ہاں! لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال وہاں پہنچیں گے؟ پھر مینے جواب دیا نہیں! پھر آپ نے فرمایا کہ بیشک تم بیت اللہ میں پہنچو گے اور طواف کروگے (بخاری کتاب الشروط)۔ اب جائے غور ہے کہ جو جرأت اور استقلال اور ہمت خدا تعالیٰ نے حضرت عمرؓ ابن الخطاب کو عطا کی ہوئی تھی اس سے دنیا میں کوئی شخص بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اور جس طرح وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی خادم تھے وہ بھی تمام جہان کو معلوم ہے۔ ایسا جلیل القدر انسان اپنے مکرم معظم مخدوم کی خدمت میں صرف اتنی بات پر اتنی بڑی جرأت کے بھرے ہوئے سوال کرتا ہے۔ اور وہ بات ہی کیا تھی صرف یہی کہ آنحضرت صلعم کفار مکہ کے روکنے سے حج کے ارادہ کو سال آیندہ پر ملتوی کر دیا تھا۔ اور صلح کے شرائط منظور کرکے حدیبیہ ہی سے مدینہ کی طرف مراجعت کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ جب ہم حضرت عمرؓ کا ایمان آنحضرت صلعم پر دیکھتے ہیں اور انکی اس بات پر غور کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے آپ کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے اور یہ بھی جانتے اور مانتے تھے کہ وہ جو کام کرتے ہیں خدا ہی کے حکم سے کرتے ہیں۔ پھر ایسے ایمان کے باوجود ایسے سوالات کے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ حق کیلئے ایسے بہادر تھے کہ ذراسی بات کو بھی فروگذاشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسوقت تک صبر نہ کیا جبتک کہ انکی

خاطرخواہ تسلی نہ ہوگئی اور امر حق انکو نہ معلوم ہوگیا کہ حضور سرور کائنات صلعم کا رؤیا بالکل صحیح اور حق تھا لیکن اسمیں یہ شرط نہ تھی کہ حج اسی سال میں ہوگا بلکہ اس میں صرف حج کا وعدہ دیا گیا تھا جسکا وقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم تھا۔ اور محض حدیبیہ سے لوٹ جانے اور اس سال میں حج کرنیسے قاصر رہنے سے یہ نہیں قرار دیا جاسکتا کہ وہ رؤیا غلط تھا۔ وہ رؤیا ضرور پورا ہوا لیکن آیندہ سال میں۔ صحابہؓ نے جبتک اس تسلی بخش تفسیر رؤیا سے خبر نہ پالی اسوقت تک خاموش نہ ہوئے اور انکے دلوں کی بےچینی دور نہ ہوئی۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو یہ ایک ہی حدیث اسبات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جب کبھی کسی امر میں شبہ یا وسوسہ پیدا ہوتا تو انکی عادت تھی کہ نہایت آزادی کے ساتھ اسکو حضرت رسالت مآب صلعم کے حضور میں پیش کردیتے۔ اور جب تک تسلی نہ ہوتی خاموش نہ ہوتے اسلیے یہ یقینی بات ہے کہ اگر قرآن شریف میں ایک ذرہ تحریف یا تغیر و تبدل یا تصرف بھی واقعہ ہوتا تو اس پیشگوئی کی صداقت پر بہت زبردست اعتراض انکی طرف سے وارد ہوتے۔ اور یہ ضروری تھا کہ ایسے اعتراضات آیندہ نسلوں میں بھی مشتہر اور معروف ہوتے۔ لیکن تمام اسلامی کتب میں کہیں کوئی ایسی روایت موجود نہیں۔ اس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ کبھی کوئی وسوسہ قرآن کریم کی تحریف و تصرف کی بابت پیدا ہی نہیں ہوا۔ اور اس سے یہ بات صریح طور سے ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف ہر قسم کے تصرفات و تحریفات و تغیرات سے پاک رہا ہے اور جس طرح آنحضرت صلعم سے صحابہؓ نے سیکھا تھا اسی طرح بلا کم و کاست آجتک موجود ہے۔ جس سے اس پیشگوئی کا منجانب اللہ ہونا اور اس کی صداقت ثابت ہے۔

مصنف تاویل القرآن نے محض بے سمجھی سے ابن ماجہ کی ایک حدیث نقل کی ہے جسکا مطلب اس نے یہ لکھا ہے کہ قرآن شریف پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب یہ سب کا سب اٹھا لیا جائیگا یہانتک کہ ایک آیت بھی باقی نہ چھوڑی جائیگی۔ اور اس مطلب سے اس نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جبکہ یہ جایز ہے کہ سارا قرآن شریف دنیا سے اٹھ جائے اور ایک آیت بھی اسکی روئے زمین پر باقی نہ رہے تو پھر بھی وعدہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون میں کچھ فرق نہیں آسکتا تو پھر اگر قرآن شریف کا کوئی حصہ گم ہوجائے یا اسمیں کوئی تصرف اور تحریف کرلیجائے تو اس وعدہ حفاظت میں کیونکر فرق آنا جایز تسلیم ہوسکتا ہے۔ اول تو اس پردہ نشین عیسائی مصنف نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ ابن ماجہ مسلمانوں میں ان کتب میں سے نہیں مانی جاتی جن کی سند پر انکو سب سے اول درجہ پر ایمان ہے۔ مسلمان اس کی روایات کو قرآن شریف کی آیات اور صحیح بخاری وغیرہ کی صحیح احادیث پر حاکم نہیں سمجھتے قرآن شریف کے وعدہ کے مقابلہ میں ایسی بات کو لکھ کر اپنے اس دعوے کی تائید کرنا کہ حفاظت الذکر سے قرآن شریف کی حفاظت مراد نہیں راقم کی مطلق حماقت اور بے سمجھی پر دلیل بیّن ہے۔ ماسوائے اسکے یہ امر سمجھنا اسکو بہت ضروری تھا کہ قرآن شریف کے اٹھائے جانیسے مراد یہ نہیں کہ اسکی عبارت اور الفاظ کسی زمانہ میں دنیا

سے اُٹھا لیے جائیں گے۔ یہ تو نہایت لغو تعبیر ہے۔ اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہی ہے کہ مغز قرآن جہان سے اُٹھ جائیگا۔ یعنی ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ جب لوگوں کی زبان پر قرآن ہوگا مگر انکی عملی زندگیوں سے وہ خارج ہوگا۔ بخاری اور مسلم میں جو احادیث صحیحہ اس مضمون پر آئی ہیں انسے صاف پایا جاتا ہے کہ علم قرآن علما کے نہ ہونیکی وجہ سے قبض کر لیا جائیگا نہ کہ اس کے الفاظ کے قبض کر لیے جانیکی وجہ سے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کتاب العلم میں یہ حدیث آئی ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلماء یعنی عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ علم کو لوگوں میں سے چھین کر نہیں لے جائیگا بلکہ علماء کے قبض کرنیسے علم قبض کریگا۔ ایسا ہی بیہقی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جب اسلام سے کچھ نہ رہیگا مگر صرف اسکا نام۔ اور قرآن سے کچھ نہ رہیگا مگر اس کے الفاظ۔ چنانچہ مشکوٰۃ کتاب العلم میں یہ حدیث آئی ہے۔ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدی۔ علماءھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود۔ یعنی حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ جب اسلام میں سے کچھ نہ رہیگا مگر اسکا نام۔ اور قرآن میں سے کچھ نہ رہیگا مگر اسکے الفاظ۔ انکی مسجدیں معمور ہونگی لیکن ہدایت کے نہ ہونیکے سبب سے حقیقت میں ویران ہونگی۔ اور اُنکے علماء بگڑ کر ایسے خراب ہوگئے ہونگے کہ پردۂ آسمان کے نیچے اُنسے بڑھکر بُرا کوئی نہ ہوگا۔ اُنسے ہی فتنہ نکلیگا اور انہیں میں عود کرکے داخل ہوگا۔

اب صاف ظاہر ہے کہ قرآن اُٹھائے جانیسے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ گویا جسقدر قرآن لوگوں کے گھروں میں لکھے اور چھپے پڑے ہیں یا جسقدر قرآن کتبخانوں اور دکانوں اور مسجدوں اور مقدس مقامات میں موجود ہیں وہ سب کے سب کسی روز دنیا سے اُٹھا لیے جاویں گے۔ اور جن لوگوں نے بڑی محنتوں سے اسکو کلاً یا جزاً حفظ کیا ہوا ہے انکے حافظوں سے بھی اسکو سلب کر دیا جائیگا جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی عبادات بھی دنیا سے معدوم ہو جائیں گی اور اسوجہ سے اسلام ہی دنیا سے رخصت ہو جائیگا۔ ایسا کبھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی کبھی ابن ماجہ کی یہ منشا ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ تو اپنے اس دین قویم کو ابداً لآباد تک زندہ رکھے گا۔ اور اب تو جو ہزار سال کی نحوست کی کالی رات کی گھٹائیں اسپر منڈلا رہی تھیں وہ بھی گذر گئی ہیں اور آفتاب نصف النہار ہدایت و معرفت الٰہی چڑھ آیا ہے اور وہ دن آگئے ہیں کہ جب ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ کی پیشگوئی اپنا اصلی رنگ دکھائیگی۔ مصنف تاویل القرآن کے بُرا ماننے اور اپنے دل کی معاندانہ ہوائی امنگوں کو

اس رنگ میں بیان کرنیسے کیا ہو سکتا ہے کاش وہ حدیث ابن ماجہ کے ان الفاظ کا مطلب سمجھنے کے لیے اپنے ناقص علم پر ہی حصر نہ کرتا بلکہ اگر انصاف اور حق پژوہی سے اُسے غرض تھی تو کسی واقف کار سے پوچھ لیتا اور مذکورہ بالا احادیث کے سوا ذرا ترمذی - احمد حنبل - اور دارمی سے اسی امر کی شہادت لے لیتا - تو پھر اس کو اچھی طرح معلوم ہو جاتا کہ تمام محدثین کا اس کے کونسے معنوں پر اتفاق ہے - اور کون شخص مصنف تاویل القرآن کے ساتھ متفق ہے - مشکوٰۃ کتاب العلم میں ایک حدیث لکھی ہے جو ذیل میں نقل کیجاتی ہے - عن زیاد بن لبید قال ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً فقال ذاک عند اوان ذھاب العلم قلت یا رسول اللہ کیف یذھب العلم ونحن نقرء القرآن ونقرءہ ابناءنا ویقرءہ ابناءنا ابناءھم الی یوم القیامۃ فقال ثکلتک امک زیاد ان کنت لاراک من افقہ رجل بالمدینۃ اولیس ھٰذہ الیھود والنصارٰی یقرءون التورٰۃ والانجیل لایعملون بشئ مما فیھما یعنی زیاد بن لبید سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ کسی امر کے واقعہ ہونے کے متعلق فرمایا کہ وہ علم کے گم ہو جانیکے زمانہ میں واقعہ ہوگا - مینے اسپر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علم مفقود ہو جاویگا جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں - اور ہماری اولاد اپنی اولاد کو پڑھائے گی اور یہ سلسلہ روز قیامت تک چلا جائیگا - یہ بات سُنکر آنحضرت صلعم نے فرمایا اے زیاد! تیری ما تجھ سے محروم ہو جائے!! مَیں تو سمجھتا تھا کہ مدینہ میں تو ایک بڑا دانا آدمی ہے - کیا یہ یہود اور نصاریٰ تورات و انجیل کو نہیں پڑھتے لیکن وہ انکی کسی بات پر عمل نہیں کرتے" اب اس حدیث سے ہمارے مقصود پر اور بھی زیادہ روشنی پڑتی ہے - کہ جب آنحضرت صلعم نے بیان فرمایا کہ کسی زمانہ میں علم گم ہو جائیگا تو معاً ایک صحابی نے یہ سمجھ کر کہ علم کے معنے صرف پڑھنے پڑھانے کے ہیں عرض کیا کہ جبکہ ہم خود قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں اور ہماری اولاد میں یہ سلسلہ تعلیم و تعلم قرآن شریف تا قیامت جاری رہیگا تو پھر علم گم کیونکر ہو جائیگا چنانچہ اسکی تشریح خود آنحضور صلعم نے یہود اور نصاریٰ کی مثال پیش کر کے فرما دی - یعنی علم سے مراد یہ نہیں کہ کتاب الٰہی کو طوطی کی طرح پڑھتے ہیں بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ اُسپر عمل کیا جائے - اور علم گم ہونے سے یہی مطلب ہے کہ گویا لوگوں میں عمل قرآن اُٹھ جائیگا نہ کہ اسکے الفاظ اور عبارات -

مصنف تاویل القرآن نے ہماری تائید میں اپنے ذاتی نمونہ سے ایک بین ثبوت دیدیا ہے - کہ جبکہ انجیلی تعلیم کی رُد سے اُسکا فرض تھا کہ وہ ایسے امور میں خصوصیت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی حق پژوہی اور انصاف اور دیانتداری اور تقوے سے کام لے - اور دجل و مکر سے نہ اپنے نفس کو دھوکہ دینے کی کوشش کرے اور نہ دوسروں کو گمراہی اور فریب میں ڈالنے کی طرف متوجہ ہو - تو اس تعلیم کے موجود ہونے ہوئے بھی اس نے اسپر عمل نہیں کیا - ہم اُسکی نسبت

اتنی بدظنی تو نہیں کر سکتے کہ وہ اس تعلیم سے ناواقف ہوگا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ضرور واقف ہوگا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اُس نے اس پر عمل کیا ہے؟ اسکا جواب یہی ہے کہ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!! اس نے اس معاملہ میں انصاف اور دیانت سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے نفس کو بھی دھوکہ میں ڈالا اور دوسرے لوگوں کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ کیا کوئی منصف مزاج انسان ایک لمحہ کے لیے بھی گمان کر سکتا ہے کہ ابن ماجہ کی روایت سے وہی مطلب قطعی طور پر نکلتا ہے جو مصنف تاویل القرآن نے لکھا ہے۔ کیا اسکی حق جوئی اور انصاف پسندی اسی میں تھی کہ ایک اہم کی بغیر علم اور بغیر تحقیقات اور بغیر مسلمات اپنی طرف سے منگھڑت تاویل کر دیتا۔ اور دوسری کتب میں اُسی حدیث کو نہ دیکھتا اور اگر دیکھا تھا تو عمداً لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اغماض کرتا۔ دراصل اُس حدیث کے یہی معنے ہیں کہ لوگ جانتے ہونگے اور پڑھتے اور لکھتے اور سنتے ہونگے مگر عمل نہیں کریں گے۔

جو باتیں اوپر لکھی جا چکی ہیں اُنسے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام صحابہؓ بہت واضح طور سے آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون کے یہی معنے سمجھتے تھے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہوا ہے کہ وہ قرآن کریم کو اُن ہر قسم کے تصرفات اور تحریفات سے محفوظ رکھیگا جو پہلی کتابوں کی تباہی کا موجب ہوئے۔ کوئی انسان کسی طرح سے اسمیں سے نہ کچھ نکال سکیگا اور نہ اس میں ایک نقطہ بڑھانے پر قادر ہوسکیگا بجنسہٖ جیسا کہ نازل ہوا ویسا ہی تا قیامت موجود رہیگا۔ اور اس اہم اور زبردست وعدہ الٰہی کے متعلق کسی نے کبھی کوئی ذرا سا وسوسہ بھی پیش نہ کیا۔ آجتک جو کئی صدیاں گذر چکی ہیں بجنسہٖ وہی قرآن مجید ہم تک پہنچا ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوا تھا اور جس طرح آپ نے اپنے صحابہؓ کو تعلیم کیا تھا۔ اس میں ایک سرمو کا فرق نہیں ہوا۔ ایک طرف اس زبردست وعدہ کا وجود اور دوسری طرف تواریخ کی سچی شہادت سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرآن شریف پر کسی قسم کا تصرف نہیں ہونے پایا اور اسکی تحریف و تبدیل ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی نہیں ہوئی۔ ان صریح شہادتوں کے علاوہ اور بھی بہت ساری باتیں ایسی ہیں جن سے یہ بات بطور نتیجہ دکنایہ ثابت ہوتی ہے۔ بطور مثال اسجگہ ہم ایک امر کا ذکر کرتے ہیں کہ اُسی زمانہ میں جب قرآن شریف کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وعدہ دیا گیا تھا کہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ ترجمہ۔ اے رسول! جو کچھ تم پر تمھارے رب کی طرف سے اُترا ہے وہ لوگوں کو پہنچا دو۔ کیونکہ اگر تم اس کی تبلیغ نہ کروگے تو سمجھا جائے گا کہ تم نے اپنا منصب پیغام رسانی پورا نہیں کیا اور اللہ تمہیں لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ اس قسم کا وعدہ اور بھی بہت ساری آیات میں پایا جاتا ہے پس آنحضرت صلعم سے یہ بھی ایک وعدۂ الٰہی تھا کہ تمھارے دشمنوں کے بُرے خیالات اور گندے منصوبوں

اور ظالمانہ حملوں سے تمہاری حفاظت ہم خود کریں گے۔ اور اسی زمانہ میں حفاظت قرآن کا وعدہ بھی ہوا تھا۔ اور دونوں وعدے ایک ہی زبردست اور بے عیب ہستی کی طرف سے تھے جو تمام جہان کا مالک و خالق ہے۔ پہلے وعدہ کے پورا ہونیکا تعلق تو آنحضرت صلعم کی زندگی تک ہی تھا۔ اور دوسرے وعدہ کی ایفا آپ کی وفات کے بعد سے شروع ہونیوالی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشن کو دو خطرناک خطرات کا سامنا تھا۔ اول یہ کہ آپ دشمنوں کے منصوبوں اور حملوں کا شکار ہو کر قتل ہو جاتے سو اگر یہ واقعہ اسطرح ہو جاتا تو پھر آپکا سارا کاروبار اور تمام سلسلہ اور کتاب الٰہی جو آپ پر نازل ہو رہی تھی ناقص اور ناتمام رہ جاتے۔ اور دوسرا خطرہ یہ تھا کہ آپ کی وفات کے بعد اس مقدس کتاب میں بھی پہلی کتابوں کی طرح انسانی تصرفات سے تحریف و تبدل واقعہ ہو جاتا اور اسطرح اسلام تباہ ہوتا۔ آپ سے پہلے بعض انبیا کو لوگوں نے قتل بھی کر ڈالا تھا اور وہ کتابیں جو آپ سے پہلے انبیا پر لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی تھیں وہ اُنکے بعد محرف و مبدل ہو گئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلعم کے مشن کو ان دو وعدوں سے نہایت مکمل کر دیا۔ اُنکی جان کی حفاظت ایسی کر دکھائی کہ باوجود دشمنوں کی اسقدر زور آوری اور جمعیت اور قوت کے اور باوجود آنحضور کی جمعیت کی قلت اور کمزوری کے خدا تعالیٰ نے اُنہیں ہر ایک حملہ و منصوبہ سے بچائے رکھا۔ اور کسی قاتل و غاصب کا اُنپر کوئی حملہ و منصوبہ پیش نہ جا سکا۔ جب انصاف اور غور سے اُس زمانہ کے حالات پر نظر کیجاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وعدہ کا پورا ہونا کتاب کی حفاظت کے وعدہ کے ایفا سے بہت مشکل تھا۔ لیکن اس بات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ یہ وعدہ بلا کم و کاست پورا ہو چکا۔ مکہ میں بھی مخالفوں نے طرح طرح کے منصوبوں سے آنحضرت صلعم کی جان پر حملے کیے اور مدینہ میں بھی آپ کو قتل کرنیکے منصوبے کیے گئے۔ لیکن وہ سب میں ناکام و نامراد رہے۔ جب اس ایک وعدہ کا پورا ہونا اپنی آنکھوں کے سامنے صحابہؓ نے دیکھ لیا کہ خدا تعالیٰ نے کیسی حکمتوں سے دشمنوں کو اُنکے منصوبوں اور حملوں میں پس پا کیا۔ اور ایک تنہا اور بیکس یتیم کی اسقدر مخالفتوں اور زبردست منصوبوں اور حملوں کے مقابلہ میں کسطرح جان بچائی اور اس کا کام پورا کرایا تو اُن کا یقین اور ایمان اس بات پر اور بھی زیادہ ہو گیا کہ ایسا زبردست خدا دوسرا وعدہ بھی ضرور پورا کریگا۔ چنانچہ وہ بھی آجتک پورا ہوتا رہا۔ اور اسی طرح ہوتا رہیگا۔ اور ان وعدوں کے پورا ہونے سے اسلام کے منجانب اللہ ہونیکا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ اس کے بعد اب میں ان اسباب کو بیان کرونگا جو قرآن کریم کی حفاظت کا ذریعہ بنے مگر اس پہلے حصہ کے خاتمہ پر ایک بات کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ توریت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ تم نے اسے نہ گھٹانا اور نہ بڑھانا۔ مگر شریعت میں جسقدر احکام انسانوں کو دیے گئے بعض نے انکی خلاف ورزی بھی کی۔ اور یہ ایک مسلّم امر ہے۔ ایسا ہی توریت کی

حفاظت بھی چونکہ خدا نے انسانوں کے سپرد کی اس لیے ضروری تھا کہ اس میں گھٹایا بڑھایا جاتا اور تحریف بھی ہوتی۔ مگر قرآن شریف کی حفاظت کو خدا تعالیٰ نے کسی انسان کے سپرد نہیں کیا بلکہ وہاں حفاظت کی ذمہ واری خود اُٹھائی۔ اور یہی فرمایا کہ ہم خود ہی اس کی حفاظت کریں گے جس سے الٰہی منشا صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کسی قسم کی تحریف یا تغیر تبدل دخل نہ پائے۔ اگر کوئی صاحب دل ہو تو اس کے لیے تو یہ ایک نکتہ ہی کافی ہے کہ توریت کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے سپرد کیا اور قرآن کریم کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ یہ کوئی بے معنی امتیاز نہیں اور خدا اور انسان برابر نہیں ہو سکتے۔ پس اس سے قیاس کر لینا چاہیئے کہ توریت میں کیوں تحریف ہوئی اور قرآن شریف کیوں ہر ایک قسم کی تحریف سے ایسا پاک رہا کہ اس کا اقرار ایک سخت ترین دشمن اسلام کو بھی کرنا پڑا۔ اگر مصنف تاویل القرآن کے دل میں کچھ بھی خوف خدا ہو اور وہ اس بات پر تدبر کرے اور اس کی نیت میں حق طلبی ہو تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ اکیلی یہی بات ہی اس کی ساری تاویل القرآن کا شافی اور اطمینان بخش جواب ہے۔ (باقی آیندہ)

طاعون کی ترقی

گذشتہ سال میں طاعون کی رفتار اسقدر سست ہوگئی تھی کہ بہت لوگ امید کرنے لگ گئے تھے کہ اسکا دورہ ختم ہوگیا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ اپنے مرسل سے یہ وعدہ کرچکا ہے کہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیروا ما بانفسھم یعنی جبتک لوگ ایک تبدیلی پیدا نہ کرینگے اسوقت تک وہ اپنے عذاب کو دُور نہ کریگا۔ سو عین اس وعدے کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ طاعون کی ترقی اس دفعہ گھبرا دینے والی ہے۔ ایک جنوری کے مہینہ میں پینسٹھ ہزار کے قریب انسان ہندوستان میں اس مرض سے مرا ہے۔ اور ماہ فروری کے صرف چار ہفتوں میں ایک لاکھ سے بھی زیادہ انسان شکار طاعون ہوا یعنی ۲۔ فروری سے لیکر ۲۔ مارچ تک ایک لاکھ ایک ہزار اڑسٹھ انسان مرچکے ہیں اور یہ ابھی وہ موتیں ہیں جو سرکاری رپورٹوں میں آئیں اسکے علاوہ بہت سی موتیں طاعون کی ایسی بھی ہوتی ہیں جنکو دوسری بیماریاں ظاہر کیا جاتا ہے۔ طاعون کی اس خطرناک ترقی میں یہ امر بھی قابل تذکرہ ہے کہ سب سے زیادہ حصہ اموات کا پنجاب میں واقعہ ہوتا ہے مثلاً فروری کے ایک لاکھ طاعونی اموات میں سے اُنتالیس ہزار پانچسو سترہ اموات طاعونی یا چالیس ہزار کے قریب صرف پنجاب میں ہوئیں۔ جو کُل کا ⅖ حصہ ہے۔ اس نسبت کو دیکھ کر ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ پنجاب میں یہ مرض دیگر صوبوں کی نسبت بہت زیادہ ترقی پر ہے۔ اور یہی حالت ہر سال رہتی ہے یعنی حالانکہ طاعون ہندوستان کے تمام صوبوں میں پھیلی ہوئی ہے مگر جو ترقی پنجاب میں اسنے کی ہے اور کسی جگہ نہیں کی۔ اس سے کیسا اس رؤیا کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے جس میں حضرت مسیح موعودؑ نے دیکھا تھا (اور یہ اس وقت کا رؤیا ہے کہ جب ابھی اس ملک میں برائے نام ہی طاعون تھا) کہ سیاہ رنگ کے پودے جو طاعون کے درخت ہیں پنجاب کے مختلف مقامات

میں خدا ہوں صاحب جود اور بخشش جس پر چاہتا ہوں رحمت نازل کرتا ہوں۔ ۱۳ مارچ ۱۹۰۶ء (۱) لاہور میں ایک بے شرم ہے۔ (۲) ویل لك ولافكك۔ ترجمہ اے مخالف تیرے پر لعنت اور تیرے جھوٹ پر۔ (۳) انی نعیت۔ ترجمہ یعنے ایک شخص کی موت کی خبر دی۔ (۴) انی انا اللہ لا الٰہ الّا انا۔ ترجمہ میں ہی خدا ہوں میرے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ (۵) انّ اللہ مع الصادقین۔ ترجمہ۔ خدا سچوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ (یہ پیشگوئی آج پوری ہو گئی کہ آج ہی ولایت سے خبر آئی ہے کہ ڈوئی جس کے عذاب کے بارے میں خبر دی تھی مر گیا یہ وہی ڈوئی ہے جسکو مباہلہ کے لیے بلایا گیا تھا) (۶) ایک امتحان ہے بعض اس میں پکڑے جائیں گے اور بعض چھوڑے جائینگے۔ (۷) انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا۔ ترجمہ خدا نے ارادہ کیا ہے اے اہل خانہ کہ تمہاری پلیدی کو دور کرے اور تمہیں پاک کرے جیسا کہ حق ہے پاک کرنے کا۔ (یہ تیسری مرتبہ الہام ہوا واللہ اعلم بالصواب) (۸) اعجبنی موتکم۔ ترجمہ تمہاری موت نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ (۹) یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی طاعون پھیلے گی جو بہت ہی سخت ہو گی (۱۰) ریاست کابل میں قریب پچاسی ۸۵ ہزار کے آدمی مرینگے۔ (۱۱) واستوت علی الجودی۔ یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی۔ یعنی پانی خشک کیا جائیگا اور جو کچھ ہمارا ارادہ ہے ہم پورا کر لینگے اور کشتی جودی پر ٹھہر جائے گی۔

مطبع میگزین قادیان دار الامان میں مینیجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا

اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ تفہیم یہ ہوئی کہ اے اہل خانہ خدا تمہارا امتحان کرنا چاہتا ہے تا معلوم ہو کہ تم اسکے ارادہ پر ایمان رکھتے ہو یا نہیں۔ اور تا وہ اے اہل بیت تمہیں پاک کرے جیسا کہ حق ہے پاک کرنیکا۔ اور پھر انہیں کی طرف اشارہ کرکے الہام ہوا۔ (۲) ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر۔ اور پھر الہام ہوا۔ (۳) یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم۔ اے لوگو تم اپنے رب کی پرستش کرو۔ وہ خدا جس نے تمہیں پیدا کیا اس میں تفہیم یہ ہوئی کہ اے اہل بیت کسی دوسرے کو تکیہ گاہ مت بنا وہی خدا تیرا متکفل اور رازق ہے جس نے پیدا کیا۔ اور پھر الہام ہوا۔ (۴) یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم ترجمہ یہ ہے کہ اے اہل بیت خدا سے ڈرو۔ اور اسکی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرو۔ اور نہ کوئی بات منہ سے نکالو۔ وہی خدا ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اور پھر میری طرف سے بطور حکایت الہام ہوا۔ (۵) اے میرے اہل بیت خدا تمہیں شر سے محفوظ رکھے۔ اور پھر مجھے مخاطب کرکے الہام ہوا۔ (۶) انت منی وانا منک انت الذی طار الیّ روحہ۔ یعنی تو مجھ سے ظاہر ہوا۔ اور میں اس زمانہ میں تجھ سے ظاہر ہونیوالا ہوں۔ تو وہ ہے جسکی روح نے میری طرف پرواز کیا۔ ۷۔ مارچ ۱۹۰۷ء (۱) ربنا افتح بیننا وبینھم۔ (۲) أتعجبتم ان تموتوا۔ (۳) ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں۔ (۴) پچیس دن (یا یہ کہ پچیس دن تک) (۵) من الناس والعامۃ (ای من خواص الناس والعامۃ)۔ ترجمہ۔ اے خدا ہم میں اور ہمارے دشمنوں میں فیصلہ کر۔ کیا تم تعجب کرتے ہو کہ تم موت کا شکار ہو جاؤ۔ ...... طاعون خاص لوگوں میں بھی پڑیگی اور عام لوگوں میں بھی۔ ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ کن لوگوں کی طرف یا کس کی طرف اشارہ ہے۔ اور پچیس [۲۵] دن کے الہام میں یہ اشارہ ہے کہ ۷ مارچ سے پچیس دن پورے ہونیکے سر پر یا ۷ مارچ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن تک کوئی واقعہ ظاہر ہوگا اور ضرور ہے کہ تقدیر الٰہی اس واقعہ کو روک رکھے جب تک کہ ۷۔ مارچ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن گذر نہ جاویں یا یہ کہ ۷۔ مارچ ۱۹۰۷ء سے پچیس دن تک یہ واقعہ ظہور میں آجائیگا اگر صرف پچیس دن کے لحاظ سے معنے کیے جائیں۔ تو اس طور سے ضرور ہے کہ اس واقعہ کے ظہور کی یکم اپریل سے امید رکھی جائے۔ کیونکہ الہام الٰہی کے رُو سے ساتویں مارچ پچیس دن کے شمار میں داخل ہے اس صورت میں پچیس دن مارچ کی اکتیس [۳۱] تاریخ تک پورے ہو جاتے ہیں تو اس طور پر پیشگوئی کے ظہور کا مہینہ اپریل ٹھہرتا ہے مگر یہ سوال کہ وہ واقعہ کیا ہے جس کی پیشگوئی کی گئی ہے اسکا ہم اس وقت کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے۔ بجز اس کے کہ یہ کہیں کہ کوئی ہولناک یا تعجب انگیز واقعہ ہے کہ ظہور کے بعد پیشگوئی کے رنگ میں ثابت ہو جائیگا اور ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ واقعہ ہماری ذات کے متعلق ہے یا ہمارے دوستوں کے متعلق یا دشمنوں کے متعلق۔ جس امر کو خدا نے پوشیدہ کیا ہے ہم ظاہر نہیں کر سکتے۔ بعد اس کے ۱۲۔ مارچ ۱۹۰۷ء کا مکرراً یہ بھی الہام ہے۔ (۱) یاعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ۔ (۲) انت منی وانا منک۔ (۳) ظھورک ظھوری۔ (۴) انت الذی طار الیّ روحہ (۵) انی انا اللہ ذوالجود والعطاء۔ (۶) انزل الرحمۃ علیٰ من اشاء۔ ترجمہ۔ اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے وفات دونگا اور اپنی طرف اُٹھا لونگا۔ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے۔ تیرا ظہور میرا ظہور ہے۔ تو وہ ہے جسکی روح نے میری طرف پرواز کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم کی حفاظت اور جمع

{ (۲) وہ دلایل جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کُل قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کی ہدایت کے مطابق لکھا گیا تھا }

اب جبکہ یہ بات ثابت ہوچکی کہ آیت کریمہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون وغیرہ میں خدا تعالیٰ نے جو وعدہ حفاظت الذکر کا کیا ہے وہ صرف قرآن شریف ہی کی حفاظت کے متعلق ہے اور اس کے سوائے کسی دوسرے نبی کی کوئی کتاب اس وعدہ میں شامل نہیں۔ اور تمام مسلمانان سابقین و متاخرین کا بلا اختلاف یہی اعتقاد رہا ہے تو اب یہ دکھانا ضروری ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ کسطرح پورا ہوا۔ اس لیے اسجگہ ہم وہ ظاہری اسباب بیان کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو پورا کرنیکے لیے پیدا کر دیے تھے۔ سب سے پہلے اور نہایت ضروری بات یہ تھی کہ جس شخص پر یہ کلام الٰہی نازل ہوتا تھا اس کے سامنے ہی ضبط تحریر میں بھی آجائے تا بعد میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہو۔ چنانچہ جب کوئی حصہ قرآن شریف کا نازل ہوتا تھا اُسی وقت اسکو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم لکھوا دیتے اور مشتہر کرا دیتے اور اکثر صحابیوں کو حفظ کرا دیتے۔ یہانتک کہ اس انتظام کے ساتھ سارے کا سارا قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی زیر حفاظت اور زیر نگرانی لکھا گیا۔ اگرچہ اہل عرب میں قوت حافظہ بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اور ہزارہا اشعار اور بڑے بڑے نسب نامے زبانی یاد رکھنا اُن میں عام طور پر مروج تھا۔ مگر رسم تحریر اُنمیں اسلام سے پہلے موجود تھی۔ اور بعض وقت ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب کبھی کوئی شاعر اعلیٰ درجہ کی نظم کہتا یا کوئی اعلیٰ درجہ کی نثر تصنیف کرتا تو اُسے لکھ کر کسی نمایاں پبلک مقام پر معلق کر دیتا کہ اُسی اس کے ہموطن دیکھ سکیں اور اُس کی تعریف کریں۔ چنانچہ مشہور معلقات جو آجتک سبعہ معلقہ کے نام سے موسوم ہیں۔

اسی طرح لٹکائے گئے تھے۔ عربی زبان میں سبعہ سات کو کہتے ہیں اور ان کو سبعہ معلقہ اس لیے کہتے ہیں کہ دراصل یہ سات نظمیں ہیں جو سات مختلف شعراء زمانہ جاہلیت کی کہی ہوئی ہیں۔ جن کو یکے بعد دیگرے انکے مصنفوں نے لکھکر کعبہ کی دیوار پر معلق کر دیا۔ جہاں بہت عرصہ تک وہ لٹکی رہیں۔ بہت سے واقعات جو احادیث کے ذریعہ سے محفوظ ہو کر ہم تک پہنچے ہیں ثابت کرتے ہیں کہ سارا قرآن شریف حضور فخر موجودات سرور کائنات محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ضبط تحریر میں آچکا تھا۔ بلکہ خود قرآن شریف میں ہی بہت سے ایسے حوالے موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اسی زمانہ میں لکھا بھی گیا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان دو ذرایع شہادت کے متعلق کچھ ذکر کریں ہم سر ولیم میور کی لائف آف محمدؐ کے دیباچہ کے صفحہ ۲۸ سے ذیل کی عبارت کا اقتباس کرتے ہیں جس میں عیسائی مصنف نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اس امر کی شہادت کثرت سے موجود ہے کہ قرآن شریف حضور رسالت پناہ محمد مصطفے صلعم کی آنکھوں کے سامنے لکھا جا چکا تھا۔ اور یہ ایسی زبردست شہادت ہے کہ جس کو قبول کرنے سے اسلام کے ایسے خطرناک مخالف کو بھی گریز کی جگہ نہ مل سکی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "لیکن اس بات کو ماننے کیلیے بہت زبردست وجوہ موجود ہیں کہ (حضرت) رسول (کریم صلعم) کی زندگی میں متفرق طور پر قرآن شریف کے نسخے لکھے ہوئے صحابہؓ کے پاس موجود تھے اور ان نسخوں میں سارا قرآن یا قریباً سارا لکھا ہوا موجود تھا۔ اس میں شک نہیں کہ (حضرت) محمد (مصطفے صلعم) کے دعوے نبوت سے بہت پہلے مکہ میں فن تحریر مروج تھا۔ اور مدینہ میں جاکر تو خود پیغمبر (خدا صلعم) نے اپنے مراسلات لکھوانیکے لیے کئی صحابی مقرر کیے ہوئے تھے ..... جو لوگ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تھے انہیں اس شرط پر وعدہ رہائی دیا گیا تھا کہ وہ بعض مدنی آدمیوں کو لکھنا سکھلا دیں۔ اور اگرچہ اہل مدینہ اہل مکہ کے برابر تعلیم یافتہ نہ تھے لیکن وہاں بھی بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو اسلام سے پہلے لکھنا جانتے تھے۔"

خود قرآن شریف میں بھی بہت کثرت سے اس امر کی شہادت موجود ہے کہ یہ اسوقت لکھا ہوا موجود تھا۔ پہلے تو لفظ کتاب ہی قابل غور ہے جو بار بار مختلف صورتوں میں قرآن کریم کی نسبت آیا ہے - اور کتاب کے معنے لکھی ہوئی کے ہیں۔ ایسا ہی قرآن شریف کو صحف بھی کہا گیا ہے جس کے معنے لکھے ہوئے کاغذ کے ہیں۔ چنانچہ سورۃ البینہ میں ہے رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطھرۃ ۰ فیھا کتب قیمۃ۔ یعنی اللہ کا رسول مقدس اوراق پڑھ کر سناتا ہے جن میں مضبوط کتابیں موجود ہیں۔ اب یہ اوراق مقدس قرآن شریف کے اوراق ہیں اور کتب قیمہ اسکی سورتیں ہیں۔ کیونکہ نہ صرف کامل قرآن شریف ہی کو الکتاب کہا گیا ہے۔ بلکہ اسکی ہر ایک سورۃ کو بھی کتاب کا نام دیا گیا ہے۔ ایسا ہی سورہ عبس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کلا انھا تذکرۃ ۰ فمن شاء ذکرہ ۰ فی صحف مکرمۃ ۰ مرفوعۃ مطھرۃ ۰ بایدی سفرۃ ۰ کرام بررۃ - ترجمہ - قرآن تو (سرنامہ) نصیحت ہے پس جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے اور (وہ قرآن) اوراق میں (لکھا) ہے جن کی تعظیم کیجاتی ہے

(اور وہ) اونچی جگہ رکھے ہوئے (ہیں اور) پاک (ہیں) (اور ایسے) لکھنے والوں کے ہاتھوں میں (رہتے ہیں) جو بزرگ (اور) نیکوکار ہیں" لفظ صحف جو یہاں استعمال ہوا ہے وہ صحیفہ کی جمع ہے۔ اور یہ وہی لفظ ہے جو ان تمام مجموعوں کے لیے بولا جاتا ہے جو زید نے حضرت عثمان اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں جمع کیے تھے۔

پس یہ امر نہایت صفائی سے ثابت ہے کہ خود قرآن کریم نے اپنے لیے لفظ کتاب اور صحیفہ استعمال کیے ہیں اور ان دونوں لفظوں کے عربی زبان میں "لکھی ہوئی کتاب" معنے ہیں۔ جو ہر ایک لغت عرب سے ثابت ہے۔ اور آج تک عام طور پر لفظ مصحف کا قرآن کریم کے لیے بولا جاتا ہے۔ جو وہ بھی صحیفہ سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے معنے ایک ایسی کتاب ہیں جس میں بہت صحیفے جمع ہوں۔ یعنی لکھے ہوئے اوراق ہوں۔

قرآن شریف کے دیگر مقامات سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اسکی سورتیں ابتدائی زمانہ میں ہی لکھی ہوئی تھیں۔ چنانچہ سورۃ الواقعہ میں جو ابتدائی کی سورتوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی نسبت فرماتا ہے انه لقرآن کریم فی کتاب مکنون۔ لا یمسه الا المطهرون۔ یعنی یہ (قرآن) بڑی قدر و منزلت کا قرآن ہے ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا۔ اسے وہی چھوتے ہیں جو پاک ہیں۔ ان آیات سے دو باتیں پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں ایک تو یہ کہ قرآن ایک محفوظ کتاب ہے یعنی یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جسے کوئی محرف و مبدل نہیں کر سکتا۔ دوسرا یہ کہ قرآن کریم اسی ابتدائی زمانہ میں لکھا جا چکا تھا کیونکہ ناپاکوں کو اسے چھونے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ ایک بڑی موٹی بات ہے کہ مس کرنے کے لیے کسی شے کا وجود جسمانی رنگ میں ہونا ضروری ہے الفاظ کو مس نہیں ہو سکتا۔ اگر وہی الفاظ ضبط تحریر میں آ کر کتاب کی صورت بن جائیں تو وہ ایک جسم بنجاتا ہے اور چھوا جا سکتا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ قرآن کریم اسی ابتدائی زمانہ میں لکھا جا چکا تھا اور کتاب کی صورت میں تھا۔ اگر یہ لکھا ہوا نہ ہوتا تو اسپر لفظ مس کا اطلاق ہی نہ ہوتا۔٭

راڈول ایک یورپین ہے جس نے قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اس نے اپنے انگریزی ترجمہ میں اس موقعہ پر مفصلہ ذیل حاشیہ دیا ہے جو ہمارے ناظرین کے لیے دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا اور وہ یہ ہے "اس جملہ سے کم از کم اتنا تو پتہ ملتا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کے لکھے ہوئے نسخے اسوقت عام طور پر زیر استعمال تھے۔ حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ فرماتی ہیں کہ جب وہ مسلمان ہونے لگے تو انہوں نے مجھے کہا کہ سورہ طٰہٰ کا نسخہ میرے ہاتھ میں دیدو۔ آیات ۷۷-۸۰ جنکا اوپر ذکر ہوا ہے وہ بحکم خلیفہ محمد ابو القاسم بن عبد اللہ قرآن کریم کی تمام جلد و نمبر لکھی جانی شروع ہوئیں" (دیکھو ترجمہ قرآن راڈول صفحہ ۵۴) یہ بات صحیح نہیں کہ اس جملہ سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے صرف بعض حصے ہی لکھے گئے تھے۔ اس عبارت سے کسی طرح یہ نہیں پایا جاتا کہ کوئی حصہ قرآن شریف کا ایسا بھی رہ گیا تھا کہ جو لکھا نہ بھی گیا ہو۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ سارا قرآن لکھی ہوئی کتاب تھی نہ کہ بعض حصے اسکے لکھنے سے رہ گئے یا چھوڑے گئے تھے۔ پس ان آیات میں یہ شہادت صریح طور پر موجود ہے

٭ یہ ظاہری معنے اس آیت کے ہیں اور ان معنوں کو اختیار کرنے سے دوسرے معنوں کا انکار لازم نہیں آتا۔ منہ

کہ سارا قرآن شریف لکھا ہوا تھا۔ اور اگر کوئی شخص اس کے برخلاف یہ کہے کہ بعض حصّے لکھے ہوئے تھے اور بعض نہیں تو اسکا فرض ہے کہ اپنی بات کو ثابت کرنیکے لیے اس کے مخالف شہادت پیش کرے۔ لیکن ساری قرآن کریم اور ساری احادیث شریفہ میں کہیں اس قسم کی مخالف شہادت کا ایک شمہ بھی نہیں پایا جاتا۔ بلکہ تمام مسلمان قرآن شریف کے ہر ایک لفظ کی برابر وہی تکریم و تعظیم کرتے اور اس کے منجانب اللہ منزل ہونے پر ایمان رکھتے تھے اسلیے ایسا گمان کرنا کہ کوئی حصّہ اسکا لکھا گیا تھا اور کوئی نہ لکھا گیا تھا سراسر نادانی اور نامعقولیت ہے۔ ساری اسلامی تاریخ میں کہیں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں نظر آتا کہ جس سے یہ نتیجہ نکالنے کا کسی کو حق پہنچ سکے کہ قرآن شریف کی بعض سورتوں کو بعض سے متفاوت اور مختلف سمجھا جاسکے۔ اور یہ خیال کیا جاسکے کہ بعض سورتیں لکھی گئی تھیں اور بعض کو اس لایق نہیں سمجھا گیا تھا کہ وہ لکھی جاتیں۔ یا یہ کہ ساری سورتوں کی مساوی احتیاط نہیں کی گئی۔ یا یہ کہ قرآن شریف کے ہر ایک لفظ کی حفاظت کے لیے مساوی خواہش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور بزرگان دین نے نہ کی تھی بعض کی کی اور بعض کی نہ کی یا کچھ کم کی۔ قرآن شریف خود فرماتا ہے کہ وہ ایک کتاب ہے، مقدس اوراق میں لکھی ہوئی ہے۔ جسے پاکوں کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ اور یہ الفاظ قرآن کریم کے ہر ایک لفظ کے متعلق ہیں۔ نہ کسی خاص حصّہ یا خاص سورت کے متعلق۔

ماسوائے اسکے ایک اور دلیل جو قرآن شریف کے لکھا ہوا ہونے پر خود قرآن کریم سے ہی ملتی ہے یہ ہے کہ کفار مکہ کہتے تھے کہ یہ قرآن گویا (نعوذ باللہ منہا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ہی بنالیا ہوا ہے۔ خدا کی طرف سے الہامی نہیں۔ ایسے لوگوں کو چیلنج کیا گیا تھا۔ ام یقولون افتراہ ۔ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین۔ یعنی (اے پیغمبر) کیا (کافر) کہتے ہیں کہ اس (شخص یعنے تم) نے قرآن کو اپنے دل سے بنالیا ہے تو (ان لوگوں سے) کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تم بھی (اہل زبان ہو) اسی طرح کی بنائی ہوئی (زیادہ نہیں) دس (ہی) سورتیں لے آؤ اور خدا کے سوا جسکو (مدد کے لیے) تم سے بلاتے بن پڑے بلالو" یہ آیتیں سورۃ ہود میں ہیں۔ اور سورۃ ہود مکہ میں اُسوقت نازل ہوئی جبکہ ابھی ہجرت بھی نہ ہوئی تھی۔ ایسے ہی سورہ بنی اسرائیل جو اس سے بھی پہلے کی نازل شدہ ہے اسکی ۹۱ آیت میں یہ چیلنج درج ہے۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن علٰی ان یاتوا بمثل ھٰذا القراٰن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔ یعنی (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ اگر آدمی اور جن جمع ہو کر (اسبات پر آمادہ) ہوں کہ اس قرآن کی طرح کا (اور کلام) بنلائیں تو وہ کبھی اس جیسا نہیں بنا لاسکتے اگرچہ اُنمیں سے ایک کی پشتی پر ایک (کیوں نہ) ہو" پھر سورۃ البقرہ کی آیات ۲۱-۲۲ میں یہ تحدی درج ہے۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علٰی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم

صٰدقین۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکفرین۔ یعنی "اور وہ جو ہم نے اپنے بندے (محمد) پر (قرآن) اُتارا ہے اگر تم کو اس میں شک ہو (اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ کتاب خدا کی نہیں بلکہ آدمی کی بنائی ہوئی ہے) اور (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو اس جیسی ایک ہی سورۃ (تم بھی بنا) لاؤ۔ اور سا اللہ کے سوا جو (تمھاری حمایت کو) آموجود ہوں اُنکو بھی بلا لو پس اگر (اتنی بات بھی) نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو (دوزخ کی) آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے۔ جو منکروں کے لیے تیار ہے"

یہ آیت مدنی ہے۔ اب ان مکی اور مدنی سورتوں میں کہیں یہ چیلنج ہے کہ اس قرآن جیسی دس سورتیں بنا لاؤ اور کہیں یہ تحدی ہے کہ ایک ہی سورۃ اس کے مقابلہ میں بنا لاؤ۔ ان باتوں سے صاف طور پر عیاں ہو رہا ہے کہ قرآن شریف کی سورتیں ان چیلنجوں کے وقت لکھی ہوئی تیار تھیں۔ کیونکہ سورتیں لکھی موجود نہ ہوتیں تو ایسا چیلنج بے معنے ہوتا۔ اور کوئی بات بالفعل مقابلہ کے لیے موجود نہ ہوتی۔ کفار کو کیا پڑا تھا کہ وہ قرآن شریف سالم کو یا اسکی بعض سورتوں کو زبانی حفظ کرتے اور پھر مقابلہ کیلیے بلائے جاتے۔ جب تک کہ لکھا ہوا قرآن موجود نہ ہوتا اسوقت تک انکو مقابلہ کیلیے بلایا نہ جاسکتا تھا کیونکہ ضروری ہے کہ جس چیز کا مقابلہ کرنیکے لیے کسی کو تحدی کیجائے تو وہ چیز بھی اس کے سامنے رکھی ہو ورنہ وہ مقابلہ ہی کیا کر سکتا ہے اور اگر قرآن شریف کی سورتیں لکھی ہوئی موجود نہ ہوتیں تو یقیناً کفار کیطرف سے یہی جواب دیا جاتا کہ پہلے ہمیں وہ سورتیں تو دکھاؤ جنکا مقابلہ چاہتے ہو۔

قرآن شریف کی شہادت کے علاوہ اعلیٰ طبقہ کی صحیح احادیث میں بہت سارے واقعات ایسے درج ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہوتی تھی تو وہ اسی وقت لکھ لی جاتی تھی صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پہلے پہل آپؐ کو وحی ہوئی تو اُسوقت آپ غار حرا میں تھے۔ جبرائیل آپؐ کے پاس آیا۔ اور کہا اقرأ یعنی پڑھو آپنے جواب دیا کہ میں نہیں پڑھ سکتا۔ تین دفعہ جبرائیل نے یہی کہا۔ اور اس کے بعد پھر آپ کو سورۃ علق کی ابتدائی آیات پڑھائیں۔ اب فرشتہ کا یہ کہنا کہ تم پڑھو اور آنحضرتؐ کا یہ جواب دینا کہ میں پڑھ نہیں سکتا صاف بتا رہا ہے کہ یہ وحی آپ کو کسی قرطاس پر لکھی ہوئی دکھائی گئی تھی۔ اور کہ آنحضرت صلعم خود نہ لکھ سکتے اور نہ پڑھ سکتے تھے۔ سب سے پہلی وحی کا لکھی ہوئی دکھایا جانا۔ اور یہ کہا جانا کہ پڑھو! اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ جو وحی تم پر ہوگی اسکو احتیاط سے لکھنا ہوگا تاکہ ہر ایک اسکو پڑھ سکے۔ یہ تو صرف ایک لطیف اشارہ ہے مگر اسکے علاوہ کثرت سے احادیث پائی جاتی ہیں جنمیں صراحت سے یہ ذکر ہے کہ قرآن کریم کی ہر ایک آیت یا سورۃ جیسے کہ وہ نازل ہوتی فوراً اُسی وقت حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھ لی جاتی۔ چنانچہ حدیث ذیل میں حضرت عثمانؓ نے قرآن شریف کی آیات کے لکھے جانیکا طریق بیان کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں "کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ ایسے اوقات میں جب آپ پر چند سورتیں ایک ہی وقت میں نازل

ہوتی رہتی تھیں جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ان شخصوں میں سے جو قرآن کریم کو لکھا کرتے تھے کسی ایک کو بلا بھیجتے اور اسکو فرما دیتے کہ یہ آیت فلاں سورۃ میں جہاں ایسا ایسا ذکر ہے لکھو" فتح الباری میں (جلد ۹ صفحہ ۱۹) اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔ وروی احمد واصحاب السنن الثلثة وصححه ابن حبان والحاکم من حدیث عبد اللہ بن عباس عن عثمان بن عفان قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما یأتی علیہ الزمان ینزل علیہ من السور ذوات العدد فکان اذا انزل علیہ الشئ یدعو بعض من یکتب عندہ فیقول ضعوا ھذا فی السورۃ التی یذکر فیھا کذا۔ اس حدیث سے یہ نہیں پایا جاتا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطرح صرف ایک ہی دفعہ عمل کیا۔ بلکہ اس بات کا کھلے طور سے بیان ہے کہ آپ کا ہمیشہ یہی عمل تھا کہ جب کبھی کوئی آیت یا سورۃ نازل ہوتی تو کسی کاتب الوحی کو بلوا کر فوراً لکھوا دیتے۔ جو شخص اس عمل حضرت رسالت پناہ صلعم کی روایت کرتا ہے وہ حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر صحابی ہیں جو ابتدائی زمانہ میں ہی اسلام لے آچکے ہوئے تھے اور آنحضرت صلعم کے ساتھ بہت قریبی رشتہ بھی رکھتے تھے یعنی آپکے داماد بھی تھے۔ پس یہ امر نہایت صفائی سے ثابت ہے کہ ہر ایک سورۃ قرآن شریف کی اور ہر ایک آیت قرآن شریف کی آنحضرت صلعم کے حکم و ہدایت سے آپکے سامنے اسی وقت لکھ لیجاتی جبکہ وہ نازل ہوتی۔ اور مزید احتیاط آپ یہ فرماتے کہ جب کبھی دو یا دو سے زیادہ سورتیں ابھی غیر مکمل ہوتیں تو جس مقام اور سورۃ اور موقعہ پر وہ آیت لکھنی چاہیئے تھی اسی جگہ لکھنے کی ہدایت فرماتے تا کہ کاتب ایک سورۃ کی آیات کو کسی دوسری سورۃ کی آیات سے مخلوط نہ کر سکیں۔ ایک طرف قرآن کریم کے لکھا جانیکے متعلق ایسی زبردست شہادت موجود ہے اور دوسری طرف اسکے نہ لکھا جانیکے متعلق کوئی کمزور سے کمزور روایت بھی پیش نہیں کیجاتی۔ ان تمام امور سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ سارے کا سارا قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی لکھا گیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اس امر پر اکیلی ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت ساری روایات صحیح احادیث میں ایسی موجود ہیں جو اس گواہی کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً بخاری باب کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں براء کی روایت سے یہ حدیث ہے قال لما نزلت لا یستوی القاعدون من المؤمنین والمجاھدون فی سبیل اللہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادع لی زیدا ولیجئ باللوح والدواۃ والکتف او الکتف والدواۃ ثم قال اکتب لا یستوی القاعدون الخ یعنی جب آیت لا یستوی القاعدون من المؤمنین والمجاھدون فی سبیل اللہ (سورۃ النساء آیت ۹۵) نازل ہوئی تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زید کو میرے پاس بلا لاؤ اور کہو کہ دوات اور لوح ساتھ لاوے۔ پھر جب وہ آپہنچا تو اسے حکم دیا کہ لا یستوی الخ۔ ساری آیت لکھو۔ ایسے ہی بخاری کے اسی باب میں ایک اور حدیث آئی ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ انک کنت تکتب الوحی

لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی بیشک تو آنحضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتا تھا۔ اس مکرم عہدہ کتابت وحی پر حضرت زیدؓ تو مامور ہی تھے اور اس ماموریت کی وجہ سے کثیر حصہ مدنی وحی کا انہوں نے ہی لکھا تھا۔ لیکن انکے سوا اور بھی وحی نبوت لکھنے والے اصحاب تھے۔ جنہوں نے کی سورتیں مکی لکھیں اور بعض مدنی آیات کو جب کبھی حضرت زید موجود نہ ہوتے تو انکی غیر حاضری میں اوروں نے لکھا۔ ان معظم اور مقدس بزرگوں کے اسمار کی فہرست میں حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عثمان۔ حضرت عمر۔ حضرت علی۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (جو ایک وقت میں مرتد بھی ہوگیا تھا اور فتح مکہ کے بعد پھر مسلمان ہوا تھا) حضرت زبیر بن عوام۔ حضرات خالد و ابان ابنائے سعید۔ ابی بن کعب حنظلہ بن الربیع۔ معیقیب بن ابو فاطمہ۔ عبداللہ بن ارقم۔ شرحبیل بن حسنہ۔ عبداللہ بن رواحہ۔ رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ دیکھو فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۹ باب کاتب وحی رسول اللہؐ۔ اس بات سے یہی نہیں سمجھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم کے اصحاب میں صرف اتنے ہی لکھے پڑھے لوگ تھے۔ اور صرف انہوں نے ہی قرآن شریف کی نقلیں بھی کیں۔ یہ تو صرف ان لوگوں کے نام ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی لکھنے کیلئے بُلا لیا کرتے تھے اور جن کے نام کاتبان وحی کی حیثیت سے احادیث میں موجود ہیں۔ مگر احادیث میں بھی اُن سب بزرگوں کے اسمار درج نہیں جو وحی نبوت کی کتابت کا کام کرتے تھے۔ بلکہ صرف چند نام درج ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ تو وہ احادیث ہیں جن سے یہ بات صریح طور سے ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت اُسی وقت ضبط تحریر میں لائی جاتی تھی جس وقت نازل ہوتی تھی۔ لیکن انکے ماسوا بہت سارے ایسے واقعات موجود ہیں۔ جو دوسرے طور پر اس ثبوت کو اور بھی مضبوط کرتے ہیں۔ مثلاً صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنے اصحاب سے مخاطب ہوکر فرمایا لاتکتبوا عنی شیئاً غیر القرآن۔ یعنی مجھ سے سوائے قرآن کوئی شے مت لکھو۔ یہ ہدایت اس غرض سے احتیاطاً حفظ ماتقدم کے طور پر کیگئی تھی کہ قرآن شریف کے ساتھ حضور سرور کائنات صلعم کی اپنی باتیں کہیں لوگ نہ ملادیں۔ اور یہ بات بھی اس سے ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے نہایت احتیاط اور صحت کے ساتھ لکھے جانیکا کیسا انتظام کیا ہوا تھا۔ اس ہدایت کا ماحصل یہی ہے کہ قرآن شریف لکھا جاتا تھا۔ اور سارے کا سارا لکھا گیا۔ اگر قرآن شریف کی ہر ایک آیت اور سورۃ لکھنے کا دستور نہ ہوتا تو اس ہدایت کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی تھی۔ اور آنحضرت صلعم کی دوسری باتوں کے لکھے جانے میں اعتراض ہی کیا ہو سکتا تھا۔ اور انکے قرآن شریف سے مخلوط ہونے سے احتیاط کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی تھی بخاری کتاب العلم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن مقامات پر لکھنے والوں کی طرف سے کسی اختلاط کا اندیشہ نہ تھا وہاں بعض احادیث لکھ لینے کی اُنہیں اجازت دیگئی۔ جس سے یہ بات اور بھی مضبوط ہوتی ہے۔

پھر جب حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو اُسوقت کی سرگذشت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف اُس زمانہ

میں ہی لکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ابن ہشام نے لکھا ہی کہ حضرت عمرؓ زمانہ جاہلیت میں بہت غضبناک اور پُرجوش طبیعت رکھتے تھے اور غالی بت پرست تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ آنحضرت صلعم شرک اور بت پرستی کے مذہب کی بیخ اکھاڑنے کے درپے ہیں تو اس جوش میں آکر یہ ارادہ کیا کہ میں آنحضرتؐ کو ہی جان سے مار دونگا۔ ایک دن یہ بات دل میں ٹھان کر گھر سے ہی برہنہ شمشیر نکالے ہوئے آنحضرتؐ کی طرف روانہ ہوئے کہ جہاں کہیں وہ ملیں گے وہیں اُنکو قتل کر دونگا۔ راستے میں جاتے ہوئے اُنکو یہ خبر بھی ملی کہ اُنکی اپنی ہمشیرہ فاطمہ اور اسکا خاوند سعید بن زید مسلمان ہوگئے ہیں۔ یہ بات سُنکر وہ اور بھی غصہ میں بھڑکے اور وہیں سے سیدھے اپنی بہن کے گھر پہنچے کہ تا پہلے انکا کام ہی تمام کیا جائے۔ حضرت عمرؓ اپنی بہن کے گھر پہنچے تو اُسوقت اُن کے گھر میں ایک تیسرا آدمی بھی موجود تھا جسکا نام خباب تھا۔ اور جسکو حضرت عمرؓ جانتے تھے کہ وہ مسلمان ہے۔ خباب کے پاس اُسوقت ایک جلد موجود تھی جس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ اور وہ اُسوقت حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ اور اسکے خاوند کو سورہ طٰہٰ پڑھا رہا تھا۔ جب اُنکو معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ آرہے ہیں تو فوراً خباب تو ایک گوشہ میں جا چھپے اور فاطمہ ہمشیرہ حضرت عمرؓ نے وہ جلد اُٹھا کر اپنے پاس چھپا لی لیکن انکا چھپنا چھپانا بالکل بے سود تھا کیونکہ حضرت عمرؓ انکے نزدیک ایسے مقام پر پہنچ گئے ہوئے تھے کہ انہوں نے خباب کا پڑھانا اور انکا پڑھنا سُن لیا تھا۔ پس جب آپ کمرہ کے اندر داخل ہوئے تو اندر قدم رکھنے کے ساتھ ہی پہلا سوال یہ کیا کہ تم کیا پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپنے کچھ نہیں سُنا ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا نہیں میں نے سُنا ہے اور مجھے یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین قبول کر لیا ہے۔ یہ بات کہتے ہی انہوں نے اپنے بہنوئی کو پکڑ لیا کہ اسکا کام تمام کریں۔ یہ ماجرا دیکھتے ہی انکی ہمشیرہ اپنے خاوند کو چھڑانیکے لیے آن چھپٹی۔ اس ہنگامہ میں فاطمہ کو سخت زخم لگا۔ حضرت سعید اور فاطمہ دونوں بیوی میاں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اب تمھاری مرضی ہے جو چاہو ہم سے سلوک کرو۔ جب حضرت عمرؓ نے اپنی ہمشیرہ کا خون بہتے دیکھا تو اپنی اس حرکت پر بہت پشیمان ہوئے۔ اور انہیں کہا کہ جو کتاب تم پڑھ رہے تھے وہ لاؤ اور مجھے بھی دکھاؤ۔ کہ میں بھی دیکھوں تو سہی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا لا کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ خود لکھے پڑھے تھے۔ جب انہوں نے باصرار طلب کیا تو انکی ہمشیرہ ڈریں کہ مبادا کہیں لیکر وہ اس کتاب کو ضایع ہی نہ کر دیں۔ اس لیے اس نے حضرت عمرؓ سے عہد لیا اور انہوں نے اپنے بتوں کی قسم کھائی کہ میں یہ کتاب ضایع نہیں کرونگا۔ بلکہ دیکھکر واپس کر دونگا۔ پھر اُس نے کہا کہ تم مشرک نجس ہو اس لیے اسکو چھونے کے لیے طہارت کی ضرورت ہے۔ اسپر حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور پھر انکی ہمشیرہ نے وہ جلد اُنکے ہاتھ میں دیدی جس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس میں سے کچھ حصہ پڑھا اور بہت تعجب کیا کہ یہ ایسی عجیب کتاب ہے اور بہت ہی عزت کی۔ پھر خباب نے انکا میلان دیکھکر کہا کہ آپ اسلام قبول کر لیں۔ یہ ایک لمبی واردات ہے ہم اسکو اسی جگہ تک لکھکر چھوڑتے ہیں اس سے صاف ثابت ہے کہ

اس ابتدائی زمانہ میں ہی مسلمانوں میں عام طور پر لکھے ہوئے قرآن شریف مستعمل تھے۔ البتہ بعض وقت نادان لوگ بے سمجھی سے یہ اعتراض کر دیا کرتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ بعض سورتیں اسوقت لکھی گئی تھیں لیکن یہ نہیں کہ سارا قرآن لکھا ہوا تھا یعنی جسقدر نازل ہوتا جاتا ہو سب ہی لکھ لیا جاتا ہو۔ یہ اعتراض لغو ہے۔ اوّل تو یہ بیان کہ سورہ طٰہٰ اسوقت یعنی حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے لکھی ہوئی موجود تھی اس لیے نہیں کیا گیا کہ سورہ طٰہٰ کی کسی خاص فضیلت کا اظہار مقصود تھا۔ تا کہ کوئی شخص یہ خیال کر سکے کہ راوی نے اس واقعہ کو سورۃ مذکور کی خاص فضیلت کے ظاہر کرنے کی نیت سے بیان کیا تھا۔ قصہ تو ایک اور غرض کیلیے بیان کیا گیا تھا اور یہ ذکر اتفاقی طور پر درمیان میں آگیا۔ اس لیے اس سے یہ بات بہت واضح طور سے عیاں ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا ابتدائی زمانہ میں کیا عمل تھا۔ قرآن شریف کے ابتدائی زمانہ سے ہی لکھے جانیکے متعلق یہ واقعہ ہی ایک ایسا ثبوت ہے کہ اگر اس کے سوا کوئی اور شہادت نہ بھی موجود ہو اور یہی ایک شہادت موجود ہو تو اس سے ہی یہ بات کافی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ جتنی سورتیں اُسوقت تک نازل ہو چکی تھیں وہ سب لکھی ہوئی موجود تھیں۔ اور انکے لکھنے کی رسم اُنہیں جاری تھی۔ یہ بات کسی طرح مانی نہیں جا سکتی کہ صرف سورہ طٰہٰ ہی لکھی گئی اور باقی کوئی سورۃ اُسوقت تک نہ لکھی گئی تھی۔ سورہ طٰہٰ کو کوئی ایسی خصوصیت حاصل نہ تھی کہ جس ترجیح کی وجہ سے یہ تو لکھی جاتی اور دوسری سورتوں کو نہ لکھا جاتا۔ بلکہ یہ تو ایک ایسی سورۃ ہے جو نمازوں میں بعض اور سورتوں کی طرح عام طور پر نہیں پڑھی جاتی تھی۔ اور اس کے سوا کئی ایسی سورتیں ہیں جن میں کئی تو اس سے لمبی اور کئی اس سے چھوٹی ہیں جن کو عام طور پر نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ اس لیے یہ بات سمجھنی بہت آسان ہے کہ جب ایسی سورۃ کا لکھے ہوئے موجود ہونا ثابت ہے تو دوسری سورتوں کا ضبط تحریر میں اُسی وقت سے محفوظ ہونا بطرز اولی ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ انکی لکھی ہوئی جلدیں تو بکثرت استعمال میں آتی ہونگی۔ اس لیے سورہ طٰہٰ کے لکھے ہوئے موجود ہونے اور اس لکھی ہوئی سورۃ کے حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ فاطمہ کے خاندان میں موجود اور مستعمل ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام مسلمان اس سورۃ کو اور اس کے علاوہ تمام سورتہائے نازل شدہ کو اسطرح استعمال کرتے تھے۔ ایسا ہی حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ کا انکو یہ کہنا کہ نجس ہونیکی حالت میں کوئی شخص قرآن شریف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا یہ بھی اس بات پر شہادت ہے کہ لکھے ہوئے نسخے قرآن کریم کے اس کثرت سے استعمال میں تھے کہ ایک نئے مسلمان شدہ شخص کو بھی یہ پتہ تھا کہ نجاست کیحالت میں قرآن شریف کو مس کرنا منع ہے۔ ان تمام باتوں سے بہت صاف ثبوت اس بات کا ملتا ہے کہ قرآن شریف کی ساری سورتیں اُسی زمانہ میں لکھی ہوئی مسلمانوں میں استعمال ہوتی تھیں۔ جس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد ابھی بہت کم تھی۔ اور وہ مکہ میں تھے۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن شریف کو جمع کیا

تو اسوقت کے واقعات سے بھی جو پیش آئے تھے اور جو کتب میں صحیح اور مستند طور سے درج ہیں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے سامنے ہی لکھی جا چکی تھی۔ اُسوقت سورہ توبہ کی دو آیتوں کے متعلق یہ واقعہ پیش آیا کہ باوجود حضرت زید کو یہ علم ہونیکے کہ وہ آیات قرآن شریف کی ہیں انکو نہ لیا گیا جب تک وہ لکھی ہوئی نہ ملیں۔ چنانچہ حضرت زید خود یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں جو صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ فتتبعت القراٰن اجمعه .... حتّٰی وجدت اٰخر سورة التوبة مع ابی خزیمة الانصاری لم اجدها مع احد غیرہ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حتّٰی خاتمة براءة۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "میں نے قرآن شریف کو تلاش کر کے جمع کرنا شروع کیا یہانتک کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھے ابو خزیمہ انصاری کے پاس سے ملا جو اور کسی کے پاس نہ تھا اور وہ یہ ہے لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم۔ خاتمہ سورہ براءۃ تک۔" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید کو یہ علم تھا کہ یہ آیتیں سورہ توبہ کے آخر میں ہیں اور پھر انکو تلاش کرتے تھے جس سے سوائے اسکے کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ تلاش تحریر کی تھی۔ (دیکھو صحیح بخاری باب جمع القرآن) جس حدیث کا یہ ایک حصہ ہے اس کی تشریح مصنف فتح الباری نے ان الفاظ میں لکھی ہے۔ فلم یأمر ابوبکر الا بکتابة ما کان مکتوبًا ولذٰلك توقف زید عن کتابة الاٰیة من اٰخر سورة براءة حتّٰی وجدها مکتوبة مع انه کان یستحضرها هو ومن ذکر معه اور پھر لکھتا ہے۔ وکان القراٰن مکتوبًا فی الصحف ولکن کانت مفرقة فجمعها ابوبکر فی مکان واحد۔ ترجمہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سوائے اُس کے جو لکھا ہوا موجود تھا کسی اور شے کے لکھنے کا حکم نہ دیتے تھے یعنی انہوں نے قرآن شریف جمع کرانے میں اتنی بڑی احتیاط فرمائی کہ جس طرح اور جو کچھ آنحضرت صلعم کی حیات میں لکھا جا چکا تھا وہی لکھنے دیا۔ اسی وجہ سے زید کو جو سورۃ توبہ کے آخری حصہ کی آیات کو جانتا تھا کہ یہ بھی قرآن ہی کا حصہ ہیں ان کے درج کرنے میں بہت تامل رہا جب تک کہ اسے وہ لکھی ہوئی نہ مل گئیں۔" "اور سارا قرآن قلمی لکھا ہوا تھا۔ مگر قلمی لکھے ہوئے حصے متفرق لوگوں کے پاس تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے کوشش کر کے انہیں ایک جگہ اکٹھا کر دیا۔" ایک اور روایت ابن ابی داؤد سے یوں آئی ہے۔ قال قام عمر فقال من کان تلقی من رسول الله صلی الله علیه وسلم شیئًا من القراٰن فلیأت به وکانوا یکتبون ذٰلك فی الصحف والالواح والعسب قال وکان لا یقبل من احد شیئًا حتّٰی یشهد شاهدان۔ ترجمہ۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے قرآن شریف کو جمع کرنیکا کام ہاتھ میں لیا تو حضرت عمر رضؓ نے عام طور پر اعلان کر دیا کہ جس کسی کے پاس قرآن شریف کا کوئی حصہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہوا ہے وہ لے آوے۔ اُن دنوں میں لوگ قرآن شریف کو کاغذ اور الواح اور کھجور کی ٹہنیوں پر لکھا کرتے تھے۔ کسی شخص سے کوئی حرف بھی لکھا ہوا منظور نہ کیا جاتا تھا جب تک کہ دو گواہوں کی گواہی نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ خالی تحریر بھی کافی نہ تھی جب تک دو گواہ یہ گواہی نہ دیں کہ وہ تحریر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھی گئی تھی۔ جیسا کہ فتح الباری میں بھی لکھا ہے۔ وکان غرضھم ان لایکتب الا من عین ماکتب بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا من مجرد الحفظ۔ یعنی اسقدر احتیاط سے غرض انکی یہ تھی کہ سوائے اس کے کچھ نہ لکھا جاوے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے لکھا گیا تھا اور مجرد حافظہ سے کچھ نہ لکھا جاوے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والقرآن فی العسب والقضم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُسوقت دنیا سے اُٹھائے گئے جب قرآن شریف صرف کھجور کے پتوں اور کھالوں پر لکھا ہوا تھا۔ ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت اور ہر ایک سورۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت آپ کی زندگی میں اور آپکے سامنے لکھی گئی تھی۔ یہ ایسی متفقہ اور مضبوط شہادت ہے کہ اس کے برخلاف ایک بھی حدیث ایسی نہیں ملتی کہ جس میں یہ ذکر ہو کہ فلاں سورۃ یا فلاں حصہ قرآن شریف کا لکھا نہ گیا تھا۔ جیسا کہ ان دشمنان حق و راستی کی علی العموم عادت ہوتی ہے اسی طرح مصنف تاویل القرآن نے بھی نہایت ظالمانہ عناد اور فساد نیت سے راستی اور تحقیق سے آنکھیں بند کر کے قرآن شریف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لکھے جانیکی ثابت شدہ حقیقت پر پردہ ڈالنے کی عبث کوشش کی ہے۔ اور قرآن شریف کے لکھا جانیکی اسطرح بے اعتباری کرنا چاہتا ہے کہ گویا صحابہؓ میں ایسے آدمی ہی موجود نہ تھے جو لکھنا جانتے ہوں۔ چنانچہ یہ باطل پرست دشمن حق محض دجل اور دھوکہ دہی کی راہ سے لکھتا ہے کہ "صحابہؓ میں لکھے پڑھے النادر کالمعدوم تھے" اور پھر لکھتا ہے کہ "جب ہم زید بن ثابت کی قابلیت تحریر کی کیفیت معلوم کرتے ہیں تو یہ عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ زید مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے اور بالکل صاحبزادہ تھے قلم پکڑنا بھی نہ جانتے تھے۔ حضرت کی جو کچھ کتابت کا کام تھا وہ یہود کرتے تھے۔ پس بتاؤ کہ چودہ پندرہ برس اس سے پہلے وحی قرآن کس نے لکھی"۔ پھر "عبد اللہ بن ابی سرح" کا ذکر کر کے کہ وہ مرتد ہو گیا تھا۔ یہ دشمن حق محض کذب اور افترا کے طور پر لکھتا ہے کہ "جب مومنوں میں اہل قلم کا یہ توڑا ہوا اور ایسی ایسی ناکامیاں ہوئیں تو مصلحت اسی میں دیکھی گئی کہ قرآن لکھا ہی نہ جاوے ایمانداروں کے سینہ میں محفوظ رہے اور ایسا ہی ہوا" اگرچہ وہ دین جس کی بنا ہی اتنے بڑے جھوٹ پر ہے کہ گویا ایک عورت کے پیٹ سے پیدا شدہ انسان خدا ہے۔ اور اُسی خدا کے ملعون ہو جانے میں نجات کی کلید ہے۔ راستبازی نہیں سکھلا سکتا۔ اور اس لیے اس کے ماننے والے دینی امور میں افترا اور جھوٹ کے کام لینے کے عادی ہیں لیکن جس دلیری اور بیباکی سے اس گمنام مصنف نے ایک ہی پیرا گراف میں جھوٹ کا انبار جمع کیا

اسکی نظیر عیسائی صاحبان میں بھی نہیں ملتی۔ اور یہ شخص ان سب جھوٹ بولنے اور بولنے والوں سے بڑھ چڑھ کر نکلا ہے اسکی تحریر کا یہ مطلب ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں کوئی لکھا پڑھا نہ تھا۔ صرف زید کچھ پڑھا ہوا ہوگا لیکن وہ کم عمر بچہ تھا اور فن تحریر سے ایسا ناواقف تھا کہ اُسے قلم پکڑنا بھی نہ آتا تھا۔ اور دوسرا شخص عبداللہ بن ابوسرح کچھ لکھا پڑھا تھا مگر وہ مرتد ہی ہو گیا۔ چونکہ انکے سوا کوئی شخص ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود نہ تھا جو قرآن لکھ سکتا اسلیے اسکا لکھنا ہی موقوف کر دیا گیا۔ یہ ایسی جاہلانہ اور نامعقول بات ہے کہ ہر ایک انسان جو اسلامی تاریخ سے تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتا ہے خوب سمجھ سکتا ہے کہ اس شخص نے کیسی بے حیائی سے کام لیا ہے۔

ہم نے بطور اختصار اس رسالہ میں کچھ ثبوت اس امر کا دیا ہے کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کی حیات اور آپ کی زیر نگرانی نزول ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت احتیاط اور حفاظت سے لکھا جاتا رہا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ شہادت بھی ناظرین کے اتنی بات سمجھنے کے لیے تو کافی ہوگی کہ اس شخص نے جھوٹ بولنے میں کیسی دلیری کی ہے۔ عیسائی مصنفوں نے آجتک جتنے اسلام کی دشمنی میں جھوٹ بولے ہیں اور بڑی بڑی تصنیفیں پُر از عناد لکھی ہیں کوئی پہلو جھوٹ کا اُنسے اُٹھا نہ رہا جو انہوں نے لکھا نہ ہو۔ لیکن مسئلہ زیر بحث کی شہادت ایسی زبردست اور آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور مشہور تھی کہ انہیں ہرگز اس بات کی جرأت نہیں ہو سکی کہ اسکی مخالف کوئی جھوٹ بنا کر مُنہ کالا کریں۔ اور کسی نے بھی ان حقایق کا انکار نہیں کیا۔ لیکن یہ گمنام صاحب ایسے نکلے ہیں کہ اپنے سب بڑے مصنفوں کے لکھنے کے سر خاک ڈالدی اور خود کسی گمنامی کے مقام میں جا چھپے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اس کام پر اُسکی اپنی فطرت بھی اسکو ملامت اور لعنت کرتی ہوگی - اسی وجہ سے اپنا نام کتاب پر نہیں لکھا۔

اس مختصر رسالہ میں ہم نے چند ایسے بزرگ صحابیوں رضؓ کے گرامی نام بطور نمونہ لکھ دیے ہیں جو پڑھنے اور لکھنے میں مہارت کامل رکھتے تھے صحابہؓ میں اس کثرت سے پڑھے لکھے حضرات موجود تھے کہ کاتبان وحی میں بعض لوگوں نے بیالیس صحابیوں رضؓ کے نام لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ عام طور پر مسلمانوں میں انہیں ایام میں قرآن شریف کے مختلف حصص مختلف لوگوں میں لکھے ہوئے موجود تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضؓ کے اسلام لانیکا ایک ہی واقعہ اسکی ثبوت کے لیے کافی گواہ انصافاً سمجھا جا سکتا ہے۔ جہاں صرف ایک قرآن شریف کے لکھنے میں بیالیس لکھے پڑھوں کی تعداد کام میں لگائی گئی ہو تو کیا قیاس ہو سکتا ہے کہ اُس جماعت میں لکھے پڑھے لوگ موجود نہ تھے یا شاذ و نادر تھے۔

قرآن کریم کا لکھنا درکنار رہا تو جو کلمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نکلے۔ یا جس طرح آپ عمل کر کے دکھلاتے وہ باتیں بھی لکھ لیجاتیں۔ چنانچہ بخاری کتاب العلم میں اسکا ذکر موجود ہے اور عبداللہ بن عمرو و دیگر اصحاب کے نام اس ضمن میں قابل ذکر ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی احادیث کو لکھ لیا کرتے تھے پھر اسکے ماسوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بادشاہوں اور دوسری قوموں کی طرف مراسلات لکھ کر ارسال

کیسے جانتے تھے جسکو خود عیسائی لوگ جانتے ہیں بلکہ انہی کے گھروں سے ایک ایسا مراسلہ آنحضرت صلعم کے سامنے کا لکھا ہوا بھی نکل آیا ہے جس کا ہم نے بھی اپنے کسی گذشتہ رسالہ میں فوٹو چھاپ دیا تھا۔ اس کے ماسوا حدیبیہ میں جب صلحنامہ لکھا گیا تھا تو وہ بھی مسلمانوں نے ہی لکھا تھا چنانچہ اس کے کاتب حضرت علی کرم اللہ وجہ تھے۔ اسکے علاوہ یہودی اقوام سے عبرانی زبان میں خط وکتابت بکثرت ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ اسکا ذکر حدیث میں بروایت ابو داؤد باب روایت حدیث اہل الکتاب میں آیا ہے۔ جو کتاب العلم کا ایک باب ہے۔ اور کتابۃ العلم کا باب الگ ہے جسکی حدیثوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ بہت سے صحابی لکھنا جانتے تھے۔ مرد تو درکنار وہاں عورتیں بھی پڑھی لکھی تھیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات میں بھی پڑھی لکھی عورتیں تھیں۔ اکثر صحیح احادیث سے پایا جاتا ہے کہ حضرت عایشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما وغیرہ پڑھی لکھی تھیں۔ اب ایسے روز روشن کی طرح چمکتے ہوئے ثبوت کی موجودگی میں مصنف تاویل القرآن کا یہ کہنا کہ صحابہؓ میں کوئی لکھا پڑھا ہی نہ تھا دو باتوں سے خالی نہیں ہوسکتا۔ یا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس بات کے کہنے والا مجہول اور نادان مطلق ہے اور یا یہ کہ وہ جان بوجھکر عناد اور شرارت کی وجہ سے ان واقعات کو مخفی کرنا اور لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ اور ہمارا قیاس ہے کہ وہ ایسا مجہول مطلق تو نہیں ہوگا ہاں حق پوشی اور دجل جو ان لوگوں کا عام شیوہ ہے اسپر عمل کیا ہوگا۔ اس نے یہ بھی چالاکی کی ہے کہ دیدہ ودانستہ ان تمام تاریخی واقعات کے لکھنے سے اعراض کیا ہے جن سے اسکی اپنی باتوں کی تغلیط ہوتی ہے۔ اس نے اپنے دعوے کی بنا صرف ایک حدیث پر رکھی ہے۔ اور وہ بنا بھی حدیث کے اصل معنوں پر نہیں بلکہ ایک معاندانہ خیال پہلے اپنے دماغ میں قایم کرکے اس نے ایک حدیث نقل کردی اور اسکے معنے اپنے پاس سے اپنے خیال کے مؤید بنا لیے ہیں۔ وہ حدیث جس کو مصنف تاویل القرآن نے نقل کیا ہے اور جسپر اپنے دعوی کی بنا رکھی ہے کہ زید صرف ایک بچہ ہی تھا اور اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ قلم کسطرح پکڑا جاتا ہے یہ ہے قال زید بن ثابت امرنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فتعلمت لہ کتاب یہود وقال انی واللہ ما امن یہود علیٰ کتابی فتعلمتہٗ فلم یمر بی الا نصف شہر حتّٰی حذقتہ فکنت اکتب لہٗ اذا کتب واقرأ لہ اذا کتب الیہ۔ اسکا لفظی ترجمہ یہ ہے۔ زید بن ثابت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا پس مینے آپکے لیے یہودیوں کی کتابت کو سیکھا۔ اور آپنے فرمایا کہ قسم بخدا مجھے اپنے خطوط لکھوانے میں یہودیوں پر اعتبار نہیں۔ پس مینے اسکو سیکھا اور نصف ماہ کے عرصہ ہی میں اس میں خوب ماہر ہوگیا۔ پس جب کبھی کوئی مراسلہ آپکے لکھنا ہوتا تو میں ہی لکھتا اور جب کوئی مراسلت کہیں سے آتی میں ہی پڑھ کر سناتا"۔ یہاں زید نے بیان تو یہ کیا ہے کہ اس نے کسطرح عبرانی رسم تحریر سیکھی۔ اور اس کو سر ولیم میور نے بھی اپنی لایف آف محمدؐ کے دیباچہ کے صفحہ ۱۴ کے حاشیہ میں تسلیم کیا ہے۔ لیکن مصنف تاویل القرآن نے الفاظ کو توڑ مروڑ کر اس کے

یہ معنے بنانے چاہے ہیں کہ گویا یہ زید کا اپنا اقبال ہے کہ وہ عربی لکھنا نہیں جانتا تھا اور یہودیوں سے عربی لکھنی سیکھی تھی۔ کیسی عیاری سے عمداً اس نے کتاب یہود کے اصل معنے بدلکر من گھڑت معنے کیے ہیں یعنی اصل معنی اسکے تو تھے "عبرانی میں لکھنا" لیکن اس نے اسکے معنے کیے ہیں "یہودیوں سے لکھنا سیکھا" اور اس جملہ کے معنے جو یہ تھے انکو لیے "عبرانی لکھنا سیکھا" تھے انہیں تبدیل کر کے "یہ" اپنی خاطر یہودیوں سے لکھنا سیکھا" بنا دیے۔ افسوس تو یہ آتا ہے کہ یہ لوگ دنیا میں صلاحیت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن انہیں حق پوشی اور جھوٹ سے کام چلاتے ہوئے ذرا شرم نہیں آتی۔ جو شخص عربی زبان میں تھوڑی سی بھی مہارت رکھتا ہو وہ خوب جانتا ہے کہ "کتاب یہود" کے معنے کسی حالت اور کسی طریق میں "یہودیوں سے لکھنا سیکھنے" کے نہیں ہو سکتے۔ اسکے معنے تو صاف طور پر یہی ہیں کہ "یہودی یعنی عبرانی رسم خط سیکھا" علاوہ بریں خود متن روایت سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زید اس میں قرآن شریف کے لکھنے کا ذکر کر رہا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کے لکھنے کے کام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہودیوں کو متعین نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ کثیر حصہ قرآن شریف کا مکہ معظمہ میں نازل ہوا۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ وہاں کوئی یہودی نہ تھا۔ اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ ہجرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مکہ معظمہ میں جتنا قرآن شریف نازل ہو چکا تھا وہ سب کا سب متفرق طور پر لکھا ہوا لوگوں کے پاس موجود اور انکے استعمال میں تھا۔ اور زید تو مدینہ کے باشندہ تھے اور ہجرت کے بعد وہ مسلمان ہوئے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کون شخص تھے جنہوں نے مکہ معظمہ میں قرآن شریف کو لکھا؟ وہاں یہود تو موجود نہ تھے پس یہود کے سپرد یہ کام کیونکر ہو گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بے اعتباری ظاہر فرمائی وہ قرآن کریم کے لکھنے سے متعلق نہ تھی اور نہ ہی حدیث میں کتابت وحی کا ذکر ہے بلکہ آپ نے یہ فرمایا کہ ما امن یہود علی کتابی۔ یعنی میں اپنی خط و کتابت میں یہود کا اعتبار نہیں کرتا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہودیوں سے عبرانی میں بعض خطوط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھوانے پڑتے تھے اور انہی کا ذکر اس حدیث میں ہے اور کتابت وحی یعنی قرآن کریم کے لکھنے کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ پھر اس روایت میں صریح طور سے یہ بھی لکھا ہے فکنت اکتب لہ اذا اکتب واقرأ لہ اذا کتب الیہ جس سے سارا عقدہ اسبات کا کھل جاتا ہے کہ اس بیان سے غرض کیا تھی۔ اول تو یہاں عبرانی لکھنے کا ذکر ہے اور قرآن کریم زبان عربی میں تھا پھر اس عبارت سے یہ بات عیاں ہے کہ یہ مراسلات کے متعلق تھی۔ یعنی اگر کوئی مراسلت عبرانی میں لکھنی پڑتی یا جب کوئی مراسلت عبرانی زبان میں آتی۔ حضور نے عبرانی سیکھنے کا حکم دیا۔ اور اس نے اسکی تعمیل کی۔ اسکے سوا اور کونسا مطلب اس ساری عبارت سے نکل سکتا ہے؟ کچھ شرم تو چاہیئے! کوئی دیانتدار مصنف ایسی شرارت نہیں کر سکتا جو معنے کی تحریف میں اس روپوش مصنف نے دکھائی ہے۔ لفظ تو صرف اسقدر ہیں کہ جب آپ لکھنا چاہتے تو میں آپ کی طرف سے لکھتا اور جب آپ کی طرف کچھ لکھا جاتا تو میں پڑھکر سناتا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر خط و کتابت کا ہے۔ اور وحی یا قرآن کریم کے لکھنے کا اس حدیث میں اشارہ بھی نہیں۔ ایسا ہی جس بات کے

نیچے یہ حدیث بیان کیگئی ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ اسے کتابت وحی سے کچھ تعلق نہیں۔ اب رہا یہ امر کہ زید نے اتنے تھوڑے سے یعنی پندرہ دن کے عرصہ میں کیونکر عبرانی زبان کا لکھنا سیکھ لیا۔ سو سمجھنا چاہیئے کہ عبرانی اور عربی ایسی ملتی جلتی زبانیں ہیں کہ ایک کے آتے ہوئے دوسری کا سیکھنا نہایت آسان کام ہے۔ عبرانی صرف عربی کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے پس جس صورت میں ایک شخص عربی زبان کی رسم الخط سے پورا واقف ہے اسکے لیے عبرانی کا رسم الخط سیکھنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ عربی اصل اور عبرانی اس میں سے مشتق زبان ہے۔ پس جو شخص عربی زبان میں مہارت کامل رکھتا ہو اسکے لیے عبرانی کا سیکھنا بہت آسان ہو جاتا ہے سلئے تنے قلیل عرصہ میں زید کا عبرانی زبان میں مہارت حاصل کر لینا اس بات پر بھی دلیل ہے کہ وہ عربی زبان کے لکھنے پڑھنے میں کامل مہارت اور ید طولے رکھتے تھے۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ بہت ذہن رسا اور بڑی قوت حافظہ رکھتے تھے۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت نے اس منزل کو زید کیلیے بہت آسان کر دیا تھا۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو مصنف تاویل القرآن کی قلعی کھولنے کے لیے یہی ایک امر کافی ہے کہ اس نے اس ایک ہی روایت کے معنوں میں کیسی تحریف سے کام لیا ہے۔ اس ایک ہی واقعہ سے اُس کی نیت اور اسکے ارادہ کے فساد کا پتہ لگ جاتا ہے یہ کتاب مشنری پادریوں کو اسلام پر حملہ کرنے میں مدد دینے کے لیے لکھی گئی ہے۔ اور پادریوں کی سوسائٹی ہی کی طرف سے شایع بھی ہوئی ہے۔ اس سے عیسائی دین کے مشنریوں کی ناگفتہ بہ حالت اور انکے خیالات اور ان کی دیانت و امانت و تقویٰ و طہارت اور حق پوشی بہت اچھی طرح واضح ہوتی ہے اور یہ بات بھی روشن ہوتی ہے کہ دوسرے مذاہب کی نسبت علی العموم اور اسلام کیلیے خصوصاً یہ لوگ کیسے درندگی کے خیالات رکھتے ہیں کہ اس کی مخالفت میں حق کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے۔ دراصل عیسائی لوگ اس عظیم الشان نعمت کو جو خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو عطا ہوئی ہے کہ انکی مقدس کتاب سیکڑوں سالوں کے گذرنے پر بھی ویسی ہی بے عیب اور تصرفات سے پاک انکے پاس موجود ہے جیسے کہ آنحضرت صلعم نازل ہوئی تھی اور جسطرح آپنے لکھوائی تھی۔ دیکھکر حسد کی آگ میں جل رہے ہیں۔ وہ تو اس بات سے ہی محروم ہیں کہ انکی کتاب یسوع کے زمانہ میں لکھی گئی ہو انکے پاس تو کوئی خدا کی انجیل ہی موجود نہیں۔ کوئی انجیل متی کی تصنیف ہے اور کوئی لوقا و مرقس وغیرہ کی۔ اور جس دیانت اور امانت کے ساتھ قرآن شریف کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم کے روبرو اور پھر آپکے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور انکے بعد علی التواتر مسلمانوں نے آیندہ نسلوں تک پہنچایا اُس انعام الٰہی سے عیسائی لوگ بالکل محروم ہیں۔ کہاں قرآن شریف اور کہاں متی و مرقس وغیرہ کی اناجیل۔

مصنف تاویل القرآن نے قرآن شریف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لکھے جانیکے برخلاف صرف یہی ایک حدیث پیش کی ہے۔ اسی سے ناظرین خوب سمجھ سکتے ہیں کہ عیسائی مشنریوں کے قرآن شریف کی حفاظت

حملے اور اعتراض کیسے لغو اور بودے ہیں۔ اس شخص نے یہیں تک بس نہیں کی بلکہ اپنی غفلت ہی کا اور بھی بڑھکر ثبوت دیا ہے اور لکھا ہے کہ قرآن شریف کے لکھنے کے لیے جو چیزیں استعمال میں لائی جاتی تھیں وہ ایسی تھیں کہ دیر تک محفوظ نہ رہ سکتی تھیں۔ یہ چیزیں کیا تھیں؟ کاغذ۔ الواح سنگ۔ چمڑا کھجور کی تختیاں اور ہڈیاں تھیں جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ کاغذ چمڑے اور الواح سنگین پر لکھنا تو دیر تک محفوظ رہ سکتا ہے لیکن دوسری اشیاء پر محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لیکن وہ لکھتا ہے کہ ان تین چیزوں پر قرآن شاذ و نادر ہی لکھا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ چیزیں بہت کمیاب تھیں۔ اور اس لیے قرآن کا کثیر حصہ صرف ہڈیوں۔ اور کھجور کی تختیوں پر لکھا گیا جو محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں۔ اور اسی وجہ سے اکثر حصہ قرآن شریف کا محو اور گم ہو گیا۔ "دروغگو را حافظہ نباشد" ایک مشہور ضرب المثل ہے اور اسجگہ مصنف تاویل القرآن کی حالت پر خوب صادق آتی ہے۔ بحث تو یہ اُٹھائی تھی کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لکھا ہی نہ گیا تھا۔ اب اس مقام پر وہ کہتا ہے کہ قرآن شریف کا اکثر حصہ ایسی اشیاء پر لکھا گیا جو دیرپا نہ تھیں اور اس لیے وہ گم اور محو ہو گیا۔ یعنی اس امر کو اب مان لیا کہ قرآن شریف لکھا ضرور گیا تھا۔ مگر ایسی چیزوں پر لکھا گیا تھا۔ .... جو دیرپا نہ تھیں یعنی اکثر حصہ ہڈیوں پر لکھا گیا تھا اور اسکی وجہ یہ بیان کی ہے کہ چمڑا۔ کاغذ اور پتھر کی تختیاں بہت کمیاب تھیں۔ یہ بات بھی محض اس نے اپنے دماغ سے اپنے دروغ کو فروغ دینے کے لیے تراشی ہے اور کوئی روایت بیان نہیں کرتا جس سے یہ پتہ لگا ہو کہ درحقیقت قرآن شریف ہڈیوں پر لکھا گیا تھا کیونکہ کاغذ اور چمڑا اور پتھر کی تختیاں ملک عرب میں ملتی نہ تھیں۔ اوّل تو ہڈیاں اور لکڑی کی تختیاں تحریر کے مطلب کے لیے چمڑے یا کاغذ سے ناقص نہیں۔ بلکہ کاغذ کی نسبت زیادہ دیرپا ہیں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی لمبی لمبی سورتوں کے لکھنے کے لیے یہ چیزیں پورا کام بھی نہ دے سکتی تھیں اور کئی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً کاغذ اور چمڑے پر ہی قرآن شریف لکھا جاتا تھا۔ اور قیاس بھی اسی بات کو چاہتا ہے کہ کاغذ اور چمڑا بکثرت عرب میں ملتے تھے دوسری چیزیں محض ایسی حالت میں استعمال کیجاتی ہونگی جب مثلاً سفر میں ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے کاغذ یا چمڑا نہ مل سکے۔ اسکے مؤید وہ روایت ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانیکا ذکر ہے۔ وہاں جب حضرت عمرؓ اپنی ہمشیرہ کے گھر پہنچے تو اسوقت حضرت فاطمہؓ ہمشیرہ حضرت عمرؓ سورہ طٰہٰ پڑھ رہی تھیں حضرت عمرؓ کو دیکھتے ہی انہوں نے اسکو اپنے کپڑوں میں فوراً چھپا لیا۔ اگر اتنی لمبی سورۃ کسی ہڈی یا لکڑی پر لکھی ہوتی تو اسکا اس طرح کپڑوں میں چھپانا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ اسقدر لمبی سورۃ ایک ہی ہڈی یا لکڑی پر تو لکھی نہ جا سکتی تھی بلکہ اسکے لیے بہت سی ہڈیاں اور لکڑیاں بکار ہوتیں جن کا یکایک اپنے پاس ہی چھپا کر رکھ لینا ممکن نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حصہ قرآن شریف کا کاغذوں پر یا چمڑے پر جو کاغذ کی طرح بنایا جاتا ہے لکھا جاتا تھا ہاں بوقت ضرورت دوسری چیزوں پر بھی لکھ لیا جاتا تھا۔ پس تمام شہادت مذکورہ بالا سے یہ امر نہایت

صفائی سے ثابت ہے کہ کامل و مکمل قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپکے سامنے اور آپکی ہدایت کے مطابق لکھا جا چکا تھا اس کے بعد ہم وہ دلایل بیان کریں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سارا قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حفظ بھی کر لیا تھا۔

ڈوئی کی موت میں خدائی فیصلہ کا اظہار

ایک عظیم الشان پیشگوئی پوری ہوئی۔

ذیل میں اس اشتہار کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے جو حال میں ڈوئی کی تباہی اور ہلاکت کی پیشگوئی کے پورا ہونے پر امریکہ اور یورپ میں شایع کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ ایک ایسی پیشگوئی تھی جو قبل از وقوع بکثرت بلاد غربی میں شایع ہو چکی تھی اسلیے اس کے پورا ہونے پر دوبارہ ان لوگوں کو اس نشان کی طرف توجہ دلانا ازبس ضروری تھا تاکہ سعید طبیعتوں کے لیے حق کی طرف رہنمائی کا ایک ذریعہ بن سکے۔

ہم نے بہت دفعہ طالبان حق کو ان عجیب و غریب پیشگوئیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ سے کھلے طور پر ظاہر ہو رہی ہیں اور جن کا پورا ہونا ایسا نشان ہے جو قوت ایمانی کو بڑھاتا اور اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اسکی صفات کاملہ پر یقین کامل پیدا کرتا ہے بشرطیکہ انسان دل کو تعصب سے خالی کر کے انپر پورا غور کرے اور سوچے کہ آیا یہ امور انسانی طاقت کے اندر ہیں؟ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ابتک ان بلاد میں کسی شخص نے یہ خواہش ظاہر نہیں کی کہ وہ ان پیشگوئیوں کے متعلق پوری تحقیق کر کے ان نتایج سے جنپر وہ خود پہنچے دنیا کو فایدہ پہنچا وے۔ ایک طرف جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح بلاد غربی کے رہنے والے چھوٹی چھوٹی اور بے حقیقت باتوں کے پیچھے پڑ کر اپنا روپیہ اور وقت ضایع کرتے ہیں جیسا کہ سپرچولزم میں جنوں اور بھوتوں کے تماشوں کے دیکھنے اور دیگر ایسی لغویات میں۔ اور دوسری طرف مذہب کے متعلق جب کوئی بات پیش کیجاتی ہے تو کیسی عدم توجہی سے پیش آتے ہیں تو ہمیں بڑی حیرت ہوتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ کوئی شخص بلا تحقیق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں پر امنا و صدقنا کہدے بلکہ ہم صرف انہیں اسبات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ان پیشگوئیوں پر محققانہ نظر سے غور کریں اور انکے متعلق پوری تحقیق اور اعلیٰ درجہ کی غور و پرداخت کو کام میں لاویں۔ دوسری طرف ہم اس بات کو بھی خوب سمجھتے ہیں کہ بُعد مکانی کا اثر بھی بُعد زمانی کی طرح ہوتا ہے اور دُور کے واقعات بھی گذشتہ زمانہ کے واقعات

کی طرح انسان کی توجہ پر اسقدر اثر نہیں کرتے جیسا قریب کے واقعات۔ مثلاً جو ہلاکت اور تباہی ہندوستان میں طاعون سے واقع ہو رہی ہے اور جس طرح طاعون زدہ علاقوں کے لوگ اس سخت عذاب الٰہی کو محسوس کرتے ہیں دُور کے رہنے والے اسقدر اس سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ مگر ان اوراق میں جس پیشگوئی کا ذکر ہم کرنا چاہتے ہیں وہ ایسی نہیں جس میں بُعد مکانی کا کچھ اثر ہو۔ کیونکہ یہ پیشگوئی مغربی بلاد میں بکثرت شایع ہو چکی ہے اور نہ صرف ہم نے ہی اشتہارات کے ذریعہ سے اس پیشگوئی کو یورپ اور امریکہ میں شایع کیا بلکہ خود ان بلاد کے بڑے بڑے اخباروں نے اسی لاکھوں انسانوں کے اندر شایع کیا۔ نہ صرف اشاعت پیشگوئی کے لحاظ سے ہی اسکا وقوع بلاد غربی میں ہوا بلکہ جو شخص اس پیشگوئی کی رو سے ہلاکت کا نشانہ تھا وہ خود انہی ملکوں کا رہنے والا اور ایسا مشہور آدمی تھا کہ یورپ اور امریکہ میں کوئی شخص اسکے نام سے ناواقف نہ ہوگا اور اس کے ہزارہا مرید امریکہ اور دوسرے عیسائی ممالک میں موجود تھے اسلیے ان واقعات کو جو اس پیشگوئی کے پورا کرنیوالے ہیں۔ اب ہم بلاد غربی کے طالبانِ حق کے سامنے ہی پیش کرتے ہیں۔ کہ اس شہادت پر پورا پورا غور کرکے وہ اپنے فیصلہ کو پبلک کے سامنے پیش کریں کہ آیا ان سے پیشگوئی کا سچا اور منجانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ نہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ان ممالک میں بہت سے ایسے سعید لوگ بھی موجود ہیں جو ایک صداقت کی خاطر قومی اور مذہبی تعصبات کی روکوں کی کچھ بھی پروا نہیں کرینگے اور جن میں یہ اخلاقی جرأت موجود ہے کہ جب سچائی کو سمجھ جائیں تو پھر ہر قسم کے مقابلہ کے باوجود اس کے اظہار میں کسی قسم کی بزدلی نہ دکھائیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ صداقت کی محبت فطرت انسانی کے اندر مرکوز ہے۔ اور اگرچہ بسا اوقات یہ تعصبات کے نیچے دبی رہتی ہے مگر آخر کار سب روکوں کو توڑ ڈالتی اور اپنر غالب آجاتی ہے۔ تھوڑے ہی عرصہ کا ذکر ہے کہ جب ہندوؤں کا ایک بڑا مذہبی پیشوا لیکھرام نام حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہوا تو بہت سے ہندوؤں نے اخلاقی جرأت سے کام لیکر اس استفتا پر جو اس غرض کے لیے پبلک کے سامنے پیش کیا گیا تھا اپنی یہ شہادت درج کی کہ واقعی پیشگوئی لیکھرام کے متعلق پوری ہوئی اور یہ پیشگوئی انسانی طاقت سے بالاتر اور منجانب اللہ تھی۔ چونکہ مغربی لوگوں میں تحقیق حق کی روح اور بھی آزادی سے کام کر رہی ہے اس لیے ہم پوری امید رکھتے ہیں کہ ڈوئی والی پیشگوئی کے واقعات اور اس کے پورا ہونیکی شہادت پر غور کامل کرکے بہت سے لوگ حق کی خاطر یہ گواہی دینے کیلیے تیار ہونگے کہ یہ پیشگوئی سچی نکلی اور حضرت مسیح موعودؑ کی دعا جو ڈوئی کے متعلق تھی وہ سُنی گئی۔

قبل اسکے کہ ان واقعات کا ذکر کیا جائے جن سے پیشگوئی کا پورا ہونا ثابت ہوتا ہے ہم ناظرین کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ اس اشتہار سے ہماری غرض صرف یہی ہے کہ تائید حق ہو اور لوگ اس حق کو دیکھیں اور اس صداقت کو قبول کریں جو روز روشن کی طرح چمک رہی ہے اگرچہ شپرّ چشم اسکا انکار کریں۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور علم کامل کا ایسا قطعی اور صاف ثبوت ملتا ہے اور اسکی ہستی پر ایسا یقین تام پیدا ہوتا ہے

کہ اس ثبوت کو پیش نہ کرنا یا دبا رکھنا ہمارے نزدیک سخت گناہ ہے۔ اور اسی کے اظہار کے لیے ہم جو کچھ لکھتے ہیں لکھنے ہیں۔
ڈوئی کی زندگی کے بعض واقعات کو ہم اس کی موت کے بعد اگر ظاہر کرتے ہیں تو نہ اس لیے کہ ایک ہلاک شدہ حریف
کی تباہی پر خوشی ظاہر کریں بلکہ اس لیے کہ حق ظاہر ہو اور لوگ اس سچائی کو دیکھیں اور سمجھیں۔ جن واقعات کو ہم ظاہر
کرتے ہیں انہیں ہماری غرض مُردہ کی عیب شماری نہیں بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ ان واقعات کے ظاہر ہونے سے صداقت کا
اظہار ہو اور سچائی کا بول بالا ہو۔ ڈوئی پر طرح طرح کی تباہیاں لانے اور پھر انجام کار اسے غایت درجہ کے دکھ اور حسرتوں
کے ساتھ ہلاک کرنے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فیصلہ کو ظاہر فرمایا ہے جس کی اطلاع اس نے اپنے مرسل کو کئی
سال پہلے دی تھی۔ یہ وہ خدائی فیصلہ ہے جو خدا کے ایک سچے مرسل اور مامور کو ایک کذّاب اور مفتری سے الگ کرتا
ہے۔ اور صادق اور کاذب مدعیٔ نبوت میں فرق کر کے دکھاتا ہے

جان الگزنڈر ڈوئی سکاٹلینڈ کا اصل باشندہ تھا اور امریکہ میں پہلے پہل ۱۸۸۸ء میں پہنچا اور سان فرانسسکو
میں اُترا اس سے پہلے کچھ مدت وہ ٹسمانیا کے جیلخانہ میں بھی رہ چکا تھا۔ ۱۸۹۲ء میں اس نے وعظ کرنا شروع کیا۔ اور اسکے
بعد ایک الگ فرقہ کی بُنیاد رکھنی شروع کی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ مَیں لوگوں کو بیماریوں سے شفا دے سکتا ہوں اور
اسی دعویٰ کی وجہ سے کئی زود اعتقاد اور توہم پرست لوگ اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان لوگوں کے روپئے سے
وہ ایک امیر آدمی بن گیا۔ اور ۱۹۰۰ء میں موجودہ شہر صیہون کی زمین خریدی جس کے ٹکڑے پھر اپنے ہی مریدوں کے
ہاتھ ایک بڑے گراں نرخ پر بیچے اور یہ ظاہر کیا کہ عنقریب مسیح موعود اسی شہر میں نازل ہوگا۔ ۲ جون ۱۹۰۱ء کو اس نے
یہ دعویٰ اپنا شایع کیا کہ مَیں الیاس ہوں جو مسیح کی آمد کے لیے لوگوں کو تیار کرنے آیا ہوں۔ اس دعویٰ سے اس کے
روپئے اور مریدوں میں اور بھی ترقی ہوئی۔ روپئے کی کثرت یہانتک ہوئی کہ سال کے شروع میں وہ دس لاکھ ڈالر
یعنی تیس لاکھ سے بھی زیادہ روپیہ اپنے مریدوں سے نئے سال کے تحفے کے طور پر مانگا کرتا تھا۔ اور جب سفر کرتا تو
اعلیٰ درجہ کے عیش و عشرت کے سامان اس کے ساتھ ہوتے ۱۹۰۲ء میں اس نے یہ پیشگوئی شایع کی کہ اگر مسلمان صلیبی
مذہب کو قبول نہ کریں گے تو وہ سب کے سب ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ اور بھی وہ ہر طرح سے اسلام کی ہتک اور توہین
نہایت بیباکی سے کرتا۔ جب اس نے اسلام پر ایسے ایسے حملے کیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ مسیح موعودؑ کے دل میں
غیرت کا جوش ڈالا۔ اور آپ نے ستمبر ۱۹۰۲ء میں اسے انگریزی میں ایک چٹھی لکھی جو اسی رسالہ ریویو آف ریلیجنز بابت ستمبر
۱۹۰۲ء کے پرچہ میں شایع ہو چکی ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعودؑ نے اسے مباہلہ کے لیے دعوت کی۔ خلاصہ اس ساری
چٹھی کا یہ تھا کہ دونوں فریق دعا کریں کہ جو شخص ہم میں سے جھوٹا ہے خدا تعالیٰ اسے سچے کی زندگی میں ہلاک کرے
یہ ڈوئی کی اس پیشگوئی کا جواب تھا جو اس نے تمام اہل اسلام کی ہلاکت کے لیے کی تھی۔ یہ چٹھی بڑی کثرت سے امریکہ
کے اخباروں میں شایع ہوئی۔ اور انگلستان کے بعض اخباروں نے بھی اسے شایع کیا۔ یہانتک کثرت سے

اسکی اشاعت ہوئی کہ ہمارے پاس بھی ایسی بہت سی اخبارین پہنچ گئیں جن میں اس مباہلہ کا ذکر تھا۔ ان میں سے چند کے نام مع تاریخ ذیل میں دیئے جاتے ہیں ان میں بہت سی روزانہ اخبارین ہیں اور جس قدر اخبارین ہمارے پاس پہنچی ہیں انپر قیاس کرکے یہ کہا جاسکتا ہے کہ امریکہ اور یورپ کی ہزاروں نہیں تو سیکڑوں اخباروں میں یہ مباہلہ شایع ہوا۔ اور لاکھوں انسانوں کے اندر اسکی شہرت ہوئی اور عام طور پر ان ممالک میں اس کا چرچا پھیل گیا۔ صرف چند امریکہ کے اخباروں کے نام ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

نمبر شمار	نام اخبار مع تاریخ و سنہ	خلاصہ مضمون
(۱)	شکاگو انٹر پریٹر ۲۸۔ جون سنہ ۱۹۰۳ء	عنوان "کیا ڈوئی اس مقابلہ میں نکلیگا"، دونوں تصویریں پہلو بہ پہلو دیکر لکھتا ہے کہ مرزا صاحب کہتے ہیں ڈوئی مفتری ہے اور میں دعا کرنیوالا ہوں کہ وہ اُسے میری زندگی میں نیست و نابود کردے اور پھر کہتے ہیں کہ جھوٹے اور سچے میں فیصلہ کا یہ طریق ہے کہ خدا سے دعا کیجاوے کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاوے۔
(۲)	ٹیلیگراف ۵۔ جولائی سنہ ۱۹۰۳ء	مرزا غلام احمد صاحب پنجاب سے ڈوئی کو چیلنج بھیجتے ہیں کہ "اے وہ شخص جو مدعی نبوت ہے آ۔ اور میرے ساتھ مباہلہ کر ہمارا مقابلہ دعا سے ہوگا اور ہم دونوں خدا تعالیٰ سے دعا کرینگے کہ ہم میں سے جو شخص کذاب ہے وہ پہلے ہلاک ہو"
(۳)	ارگوناٹ سان فرانسسکو یکم دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء	عنوان "انگریزی اور عربی (یعنی عیسائیت اور اسلام) کا مقابلہ دعا" مرزا صاحب کے مضمون کا خلاصہ جو ڈوئی کو لکھا ہے یہ ہے کہ "تم بھی ایک جماعت کے لیڈر ہو اور میرے بھی بہت سے پیرو ہیں پس اس بات کا فیصلہ کہ خدا کی طرف سے کون ہے ہم میں اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے خدا سے دعا کرے اور جس کی دعا قبول ہو وہ سچے خدا کی طرف سے سمجھا جاوے"، دعا یہ ہوگی کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے خدا اُسے پہلے ہلاک کرے۔ یقیناً یہ ایک معقول اور منصفانہ تجویز ہے۔
(۴)	لٹریری ڈائجسٹ نیویارک ۲۰۔ جون سنہ ۱۹۰۳ء	تصویر دیکر مباہلہ کا مفصل ذکر کرتا ہے یعنی یہ کہ دونوں فریق ڈوئی اور ہم دعا کریں کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں اور اس کے سامنے ہلاک ہو۔
(۵)	نیویارک میل اینڈ ایکسپرس ۲۸۔ جون سنہ ۱۹۰۳ء	عنوان مباہلہ یا مقابلہ دعا کے نیچے اسی مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۶)	ہیرلڈ روچسٹر ۲۵۔ جون سنہ ۱۹۰۳ء	ڈوئی کو مباہلہ کیلیے بلایا گیا ہے اور پھر مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۷)	ریکارڈ بوسٹن ۲۷۔ جون سنہ ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۸)	ایڈورٹائزر بوسٹن ۲۵ جون سنہ ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۹)	پائلاٹ بوسٹن ۲۷۔ جون سنہ ۱۹۰۳ء	ایضاً
(۱۰)	پاتھ فائنڈر واشنگٹن ۲۷۔ جون سنہ ۱۹۰۳ء	〃

نمبر شمار	نام اخبار مع تاریخ و سنہ	خلاصہ مضمون
(۱۱)	انٹراوشن شکاگو ۲۷-جون ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہے پھر ۲۸ جون کے پرچے میں دونوں تصویریں دیکر مفصل ذکر کیا ہے۔
(۱۲)	ڈیموکریٹ کرانیکل روچیسٹر ۲۵-جون ۱۹۰۳ء	مباہلہ کے بعد دونوں تصویریں بھی دی ہیں اور حضرت کی تصویر کے نیچے یہ لفظ ہیں "مرزا غلام احمد صاحب ہندوستان کا مسیح جس نے ڈوئی کو دعا کی مقابلہ کیلئے چیلنج دیا ہے۔
(۱۳)	شکاگو کا ایک اخبار تاریخ اور نام پھٹ گیا	
(۱۴)	برلنگٹن فری پریس ۲۷ جون ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۱۵)	ووسٹر سپائی ۲۸ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۱۶)	شکاگو انٹراوشن ۲۸ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۱۷)	البنی پریس ۲۵ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۱۸)	جیکسنول ٹائمز ۲۸ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۱۹)	بالٹی مور امریکن ۲۵ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۲۰)	بفلو ٹائمز ۲۵ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۲۱)	نیویارک میل ۲۵ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۲۲)	بوسٹن ریکارڈ ۲۷ جون ۱۹۰۳ء	مباہلہ کا ذکر ہے۔
(۲۳)	ڈیزرٹ انگلش نیوز ۲۷ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۲۴)	ہیلینا ریکارڈ یکم جولائی ۱۹۰۳ء	〃
(۲۵)	گروم شایر گزٹ ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء	〃
(۲۶)	نونیٹن کرانیکل ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء	〃
(۲۷)	ہٹوسٹن کرانیکل ۳ جولائی ۱۹۰۳ء	〃
(۲۸)	سوتھ نیوز ۲۹ جون ۱۹۰۳ء	〃
(۲۹)	رچمنڈ نیوز یکم جولائی ۱۹۰۳ء	〃
(۳۰)	گلاسگو ہیرالڈ ۲۷-اکتوبر ۱۹۰۳ء	〃
(۳۱)	نیویارک کمرشل اڈورٹایزر ۲۶-اکتوبر ۱۹۰۳ء	اگر ڈوئی اشارتاً یا صراحتاً اس چیلنج کو منظور کریگا تو وہ بڑی دُکھ اور حسرت کے ساتھ ہلاک ہوگا اور اگر وہ اس چیلنج کو قبول نہ کریگا تو بھی اس کے صیہون پر [illegible]
(۳۲)	دی مارننگ ٹیلیگراف نیویارک ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء	مباہلہ اور ڈوئی پر بددعا کرنے کا ذکر ہے۔

نوٹ:- یہ اخبار صرف وہ ہیں جو ہم تک پہنچے ہیں۔ اس کثرت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیکڑوں اخباروں میں یہ ذکر ہوا ہوگا۔ منہ

مگر باوجود اس کثرت اشاعت پیشگوئی کے ڈوئی نے اس چیلنج کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور نہ ہی اپنے اخبار لیوز آف ہیلنگ میں اسکا کچھ ذکر کیا۔ مگر اسلام کے متعلق اس نے وہی بدزبانی کا طریق جاری رکھا چنانچہ ۱۴۔ فروری ۱۹۰۳ء کو اس نے اپنے اخبار میں یہ فقرے شایع کیے "میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ دن جلدی آئے جب اسلام دنیا سے نابود ہو جائے۔ اے خدا تو میری اس دعا کو قبول کر۔ اے خدا تو اسلام کو ہلاک کر*"۔ اور پھر ۱۵۔ اگست ۱۹۰۳ء کو اسلام کا ذکر کر کے لکھا کہ "انسانیت پر اس سخت بدنما دھبہ کو (یعنی اسلام کو) صیہون ہلاک کر کے چھوڑیگا"

پس جب وہ نہ تو اسلام کے متعلق دریدہ دہنی سے باز آیا اور نہ ہی کھلے طور پر میدان مقابلہ میں نکلا تو حضرت مسیح موعودؑ نے ایک اور اشتہار جاری کیا جو صرف زبان انگریزی میں ترجمہ ہو کر بلاد یورپ اور امریکہ میں بکثرت شایع ہوا۔ اس اشتہار کا بھی انگریزی اور امریکن اخبارات میں بہت چرچا ہوا۔ چنانچہ بعض ان اخبارات کے اقتباس ہم نومبر اور دسمبر ۱۹۰۳ء کے رسالے میں شایع بھی کر چکے ہیں۔ اور یہ اقتباس ثابت کرتے ہیں کہ اس اشتہار کی اشاعت بھی بکثرت ہوئی۔ اس اشتہار کا عنوان یہ تھا "پگٹ اور ڈوئی کے متعلق پیشگوئیاں" اور جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہوتا ہے اب یہ خالی مباہلہ کی دعوت نہ رہی تھی بلکہ اس میں صراحت کے ساتھ ڈوئی کی ہلاکت کی پیشگوئی بھی کی گئی تھی۔

نوٹ۔ انگریزی میں چونکہ یہ اشتہار پورا پہلے شایع ہو چکا ہے اس مقام پر انگریزی میں ہم نے صرف ایک ہی اخبار کے اقتباس پر اکتفا کیا ہے۔ لیکن اردو میں چونکہ یہ اشتہار پہلے کبھی شایع نہیں ہوا اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس سارے اشتہار کو ناظرین کے فایدہ کے لیے اس جگہ شایع کر دیں۔ وہ اشتہار یہ ہے۔

"زمین جب گناہ اور شرک سے آلودہ ہو جاتی ہے اور اُس حقیقت سے بے خبر ہو جاتی ہے جو انسان کی پیدائش کی اصل غرض ہے۔ تب خدا کی رحمت تقاضا کرتی ہے کہ ایک کامل الفطرت انسان کو اپنی ذات سے پاک تعلق بخش کر اور اپنے مکالمہ سے اسکو مشرف کر کے اور اپنی محبت میں اسکو انتہا تک پہنچا کر۔ اُسکے ذریعہ سے دوبارہ زمین کو پاک وصاف کرے۔ انسان خدا تو نہیں ہو سکتا مگر بڑے بڑے تعلقات اُس سے پیدا کر لیتا ہے جب وہ بالکل خدا کیلیے ہو جاتا ہے اور اپنے تئیں صاف کرتا کرتا ایک مصفا آئینہ کی طرح بن جاتا ہے۔ تب اُس آئینہ میں عکسی طور پر خدا کا چہرہ نمودار ہوتا ہے۔ اُس صورت میں وہ بشری اور خدائی صفات میں ایک مشترک چیز بنجاتا ہے اور کبھی اس سے صفات الٰہیہ صادر ہوتی ہیں کیونکہ اُس کے آئینہ وجود میں خدا کا چہرہ منعکس ہے اور کبھی اُس سے بشری صفات صادر ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ بشر ہے اور ایسے انسانوں کو دیکھنے والے کبھی دھوکہ کھا کر اور صرف ایک پہلو کا کرشمہ دیکھ کر انکو خدا سمجھنے لگتے ہیں اور دنیا میں مخلوق پرستی اسی وجہ سے آئی ہے اور

* حاشیہ: ڈوئی کی طرف سے ان الفاظ میں اسلام کی ہلاکت کے لیے دعا کرنا گویا مباہلہ کا ہی اختیار کرنا تھا کیونکہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کو مسلمانوں کی طرف سے [illegible] سمجھتا تھا۔ منہ

صدہا انسان اسی دھوکہ سے خدا بنائے گئے ہیں۔ مگر ہمارے اس زمانہ میں جسقدر عیسائیوں کا وہ فرقہ جو حضرت مسیح کو خدا جانتا ہے اس دھوکہ میں مبتلا ہے اسقدر کوئی اور قوم مبتلا نہیں۔ مسیح سے صدہا برس پہلے جو لوگ خدا بنائے گئے تھے جیسے راجہ رام چندر۔ راجہ کرشن۔ گوتم بدھ ہمارے اس زمانہ میں انکے پیرو متنبہ ہوتے جاتے ہیں کہ یہ انکی غلطیاں تھیں۔ مگر افسوس حضرت مسیح کے پیرو ابتک اس زمانہ میں بھی خواہ نخواہ خدائی کا خطاب ان کو دے رہے ہیں اگرچہ اس خیال کا بطلان ایسا بدیہی تھا کہ کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ مگر افسوس کہ عیسائی ابھی تک اس زمانہ کی ہوا سے بھی دور بیٹھے ہیں بلکہ بعض لوگوں نے جب دیکھا کہ ایسے لغو خیالات کا زمانہ ہی دن بدن مخالف ہوتا جاتا ہے تو انہوں نے اپنے معمولی طریقوں سے مایوس ہو کر یہ ایک نیا طریق اختیار کیا کہ کوئی ان میں سے الیاس بن گیا اور کسی نے یہ دعویٰ کر دیا کہ میں مسیح ابن مریم ہوں اور میں ہی خدا ہوں اس مجمل فقرہ سے مراد میری یہ ہے کہ لنڈن میں تو مسٹر پگٹ نے خدائی اور مسیحیت کا دعویٰ کیا اور امریکہ میں مسٹر ڈوئی الیاس بن بیٹھے اور پیشگوئی کر دی کہ مسیح ابن مریم پچیس[25] برس تک دنیا میں آجائیگا دونوں میں فرق یہ ہے کہ ڈوئی نے تو بزدلی دکھلائی اور الیاس بننے میں بھی اپنی پردہ دری سے ڈرتا رہا اور مسیح نہ بنا بلکہ مسیح کا خادم بنا اور پگٹ نے بڑی ہمت دکھلائی کہ خود مسیح بن گیا نہ صرف مسیح بلکہ خدا ہونے کا بھی دعویٰ کیا۔ اب لنڈن والوں کو کسی بیماری آفت مصیبت کا کیا اندیشہ ہے جن کے شہر میں خدا اترا ہوا ہے مگر ہم نے سنا ہے کہ لنڈن میں کچھ یہودی بھی رہتے ہیں اس لیے بے شک یہ اندیشہ ہے کہ انکو طبعاً یہ خیال پیدا ہو کہ یہ تو وہی مسیح ہے جو صلیب سے بوجہ غشی کے غلطی کے ساتھ زندہ اتارا گیا اور پھر موقع پا کر مشرقی بلاد کی طرف بھاگ گیا۔ آخر اب ایسے طور سے اسکو صلیب دیں کہ کام تمام ہو جائے اور پھر کسی طرف بھاگ نہ سکے۔ اور ساتھ ہی یہ فکر بھی ہے کہ مبادا عیسائیوں کو بھی خیال آجائے کہ پہلا کفارہ پرانا اور بودہ ہو چکا ہے اور شراب خوری اور فسق وفجور کی کثرت نے ثابت بھی کر دیا ہے کہ اس کفارہ کی تاثیر جاتی رہی ہے اس لیے اب ایک نئے خون کی ضرورت ہے۔ سو میں ہمدردی سے کہتا ہوں کہ مسٹر پگٹ کو ان ہر دو فرقوں سے چوکس رہنا چاہیئے۔ القصہ ان دنوں میں جبکہ زمین میں ایسے ایسے جھوٹے اور ناپاک دعوے کیے گئے ہیں۔ اس لیے خدا نے جو زمین پر بدی اور ناپاکی کا پھیلنا پسند نہیں کرتا مجھے اپنا مسیح کر کے بھیجا تا وہ زمین کی تاریکی کو اپنی توحید سے روشن کرے اور شرک کی نجاست سے دنیا کو مخلصی بخشے پس میں وہی مسیح موعود ہوں جو ایسے وقت میں آنیوالا تھا اور میں صرف اپنے منہ سے نہیں کہتا کہ میں مسیح موعود ہوں بلکہ وہ خدا جس نے زمین و آسمان بنایا میری گواہی دیتا ہے اس نے اس گواہی کے پورا کرنیکے لیے صدہا نشان میرے لیے ظاہر کیے اور کر رہا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اسکا فضل اس مسیح سے مجھ پر زیادہ ہے جو مجھ سے پہلے گذر چکا ہے۔ میرے آئینہ میں اس کا چہرہ اس سے زیادہ وسیع طور پر منعکس ہوا ہے جو اسکے آئینہ میں ہوا تھا

اگر میں صرف اپنے مُنہ سے کہتا ہوں تو میں جھوٹا ہوں۔ لیکن اگر وہ میرے لیے گواہی دیتا ہے تو کوئی مجھے جھوٹا قرار نہیں دے سکتا۔ میرے لیے اُسکی ہزار ہا گواہیاں ہیں جن کو میں شمار نہیں کر سکتا۔ مگر منجملان کے ایک یہ بھی گواہی ہے کہ یہ دلیر دروغ گو یعنی پگٹ جس نے خدا ہونیکا لنڈن میں دعویٰ کیا ہے وہ میری آنکھوں کے سامنے نیست و نابود ہو جائیگا۔ دوسری یہ گواہی ہے کہ مسٹر ڈوئی اگر میری درخواست مباہلہ قبول کریگا اور صراحتاً یا اشارۃً میرے مقابلہ پر کھڑا ہوگا تو میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ اس دنیائے فانی کو چھوڑ دیگا یہ دو نشان ہیں جو یورپ اور امریکہ کے لیے خاص کیے گئے ہیں کاش وہ انپر غور کریں اور ان سے فایدہ اُٹھاویں۔

یاد رہے کہ ابتک ڈوئی نے میری اس درخواست مباہلہ کا کچھ جواب نہیں دیا اور نہ اپنے اخبار میں کچھ اشارہ کیا ہے اس لیے میں آج کی تاریخ سے جو ۲۳۔ اگست ۱۹۰۳ء ہے اُسکو پورے سات ماہ کی اور مہلت دیتا ہوں اگر وہ اس مہلت میں میرے مقابلہ پر آگیا اور جس طور سے مقابلہ کرنیکی مینے تجویز کی ہے جسکو میں شایع کر چکا ہوں اس تجویز کو پورے طور پر منظور کر کے اپنے اخبار میں عام اشتہار دے دیا تو جلد تر دنیا دیکھ لے گی کہ اس مقابلہ کا انجام کیا ہوگا۔ میں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں۔ اور وہ جیسا کہ بیان کرتا ہے پچاس برس کا جوان ہے میری نسبت گویا ایک بچہ ہے۔ لیکن مینے اپنی بڑی عمر کی کچھ پروا نہیں کی۔ کیونکہ اس مباہلہ کا فیصلہ عمروں کی حکومت سے نہیں ہوگا بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا مالک اور احکم الحاکمین ہے وہ اسکا فیصلہ کریگا۔ اور اگر مسٹر ڈوئی اس مقابلہ سے بھاگ گیا تو دیکھو آج میں تمام امریکہ اور یورپ کے باشندوں کو اس بات پر گواہ کرتا ہوں کہ یہ طریق اُسکا بھی شکست کی صورت سمجھی جائے گی اور نیز اس صورت میں پبلک کو یقین کرنا چاہیئے کہ یہ تمام دعویٰ اُسکا الیاس بننے کا محض زبان کا مکر اور فریب تھا اور اگرچہ وہ اس طرح سے موت سے بھاگنا چاہے گا لیکن درحقیقت ایسی بھاری مقابلہ سے گریز کرنا بھی ایک موت ہے پس یقین سمجھو کہ اس کے صیہون پر جلد تر ایک آفت آنے والی ہے۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ضرور ایک صورت اسکو پکڑ لے گی۔ اب میں اس مضمون کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اے قادر اور کامل خدا جو ہمیشہ نبیوں پر ظاہر ہوتا رہا اور ظاہر ہوتا رہیگا یہ فیصلہ جلد کر۔ کہ پگٹ اور ڈوئی کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر کر دے۔ کیونکہ اس زمانہ میں تیرے عاجز بندے اپنے جیسے انسانوں کی پرستش میں گرفتار ہو کر تجھ سے بہت دُور جا پڑے ہیں سوائے ہمارے پیارے خدا انکو اس مخلوق پرستی کے اثر سے رہائی بخش اور اپنے وعدوں کو پورا کر جو اس زمانہ کے لیے تیرے تمام نبیوں نے کیے ہیں ان کانٹوں میں سے زخمی لوگوں کو باہر نکال اور حقیقی نجات کے سرچشمہ سے انکو سیراب کر۔ کیونکہ سب نجات تیری معرفت اور تیری محبت میں ہے کسی انسان کے خون میں نجات نہیں۔ اے رحیم کریم خدا انکی مخلوق پرستی پر بہت زمانہ گذر گیا ہے اب

ان پر تُو رحم کر اور انکی آنکھیں کھولدے۔ اے قادر اور رحیم خدا سب کچھ تیرے ہاتھ میں ہے اب تُو ان بندوں کو اس اسیری سے رہائی بخش اور صلیب اور خون مسیح کے خیالات سے انکو بچالے۔ اے قادر کریم خدا انکے لیے میری دعا سن اور آسمان سے انکے دلوں پر ایک نور نازل کر تا وہ تجھے دیکھ لیں کون خیال کر سکتا ہے کہ وہ تجھے دیکھیں گے کس کے ضمیر میں ہے کہ وہ مخلوق پرستی کو چھوڑ دینگے اور تیری آواز سُنیں گے پر اے خدا تُو سب کچھ کر سکتا ہے تُو نوحؑ کے دنوں کی طرح ان کو ہلاک مت کر کیونکہ وہ تیرے بندے ہیں بلکہ ان پر رحم کر اور انکے دلوں کو سچائی کے قبول کرنیکے لیے کھولدے۔ ہر ایک قفل کی تیرے ہاتھ میں کنجی ہے جبکہ تُو نے مجھے اس کام کیلیے بھیجا ہے سو میں تیرے مُنہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں نامرادی سے مروں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جو کچھ اپنی وحی سے مجھے تُو نے وعدے دیئے ہیں ان وعدوں کو تُو ضرور پورا کریگا کیونکہ تو ہمارا خدا صادق خدا ہے۔ اے میرے رحیم خدا اس دنیا میں میرا ایشت کیا ہے بس یہی کہ تیرے بندے مخلوق پرستی سے نجات پاجائیں سو میرا ایشت مجھے عطا کر اور ان لوگوں کے مردوں اور ان لوگوں کی عورتوں اور انکے بچوں پر یہ حقیقت ظاہر کر دے کہ وہ خدا جسکی طرف توریت اور دوسری پاک کتابوں نے بلایا ہے اس سے وہ بیخبر ہیں اے قادر کریم میری سُن لے کہ تمام طاقتیں تجھکو ہیں آمین ثم آمین۔

اس اشتہار میں جس کے لیے لمبے لمبے اقتباس اخبار گلاسگو ہیرلڈ اور نیو یارک کمرشل ایڈورٹائزر سے ہم پہلے دے چکے ہیں۔ مفصلہ ذیل امور خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

(۱) یہ اشتہار پہلی چٹھی کی طرح صرف ایک چیلنج یعنی مباہلہ کی دعوت ہی نہ تھی بلکہ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے اس میں ڈوئی کے انجام اور اس کی ہلاکت کی صریح خبر موجود تھی۔

(۲) مندرجہ ذیل الفاظ خاص طور پر توجہ کے قابل ہیں "مسٹر ڈوئی اگر میری درخواست مباہلہ قبول کریگا اور صراحتاً یا اشارتاً میرے مقابلہ پر کھڑا ہو گا تو میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ اس دنیائے فانی کو چھوڑ دے گا" پس پیشگوئی صاف الفاظ میں یہ تھی کہ خواہ صراحتاً یا اشارتاً ڈوئی مقابلہ پر کھڑا ہوا تو اسکا انجام بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ ہوگا اور وہ مسیح موعودؑ کی زندگی میں اور انکی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوگا۔

(۳) خواہ ڈوئی موت سے بھاگنا چاہے مگر وہ بھاگ نہیں سکتا "یقین سمجھو کہ اس کے صیہون پر جلد تر ایک آفت آنیوالی ہے"

(۴) حضرت مسیح موعودؑ نے ڈوئی کی طرف سے مباہلہ کے جواب کا انتظار نہیں کیا بلکہ اپنی طرف سے مباہلہ کر دیا اور خدا کو فیصلہ کے لیے جو ڈوئی کے جھوٹ کو ظاہر کرنیوالا ہو اپنی طرف سے دعا شایع کر دی۔ قبل اس اشتہار کی اشاعت کے امریکہ کے تمام اخباروں میں پہلے چیلنج کے متعلق شور پڑ چکا تھا اور چاروں طرف سے اخباروں میں یہ سوال پوچھا جا رہا تھا کہ ڈوئی نے کیا جواب دیا ہے دوسری طرف ۲۳۔ اگست کو تازہ اشتہار بھی شایع کیا گیا اور ڈوئی اور اس کے مریدوں کو بھی کثرت سے بھیجا گیا۔ اسپر ۲۶ ستمبر ۱۹۰۳ء کو ڈوئی نے اپنے اخبار میں اپنی عادت کے مطابق بدزبانی کے ساتھ یہ جواب دیا۔ لوگ

مجھے بعض اوقات کہتے ہیں کہ کیوں تم فلاں فلاں بات کا جواب نہیں دیتے۔ جواب! کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان کیڑوں مکوڑوں کو جواب دونگا۔ اگر میں اپنا پاؤں ان پر رکھوں تو ایک دم میں انکو کچل سکتا ہوں۔ مگر میں انکو موقع دیتا ہوں کہ میرے سامنے سے دور چلے جائیں اور کچھ دن اور زندہ رہ لیں" پھر اسکے بعد اپنے اخبار میں حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر کرکے آپ کو "بیوقوف محمدی مسیح" کے نام سے پکارا۔ اور ۱۲ دسمبر ۱۹۰۳ء کو لکھا کہ "اگر میں خدا کی زمین پر خدا کا پیغمبر نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں" دوسری طرف اسلام کی تباہی کی پیشگوئی پر بھی اسی طرح اصرار کرتا رہا چنانچہ جنوری ۱۹۰۴ء کے ایک پرچہ میں اس نے لکھا "میرا یہ کام ہے کہ لوگوں کو مشرق اور مغرب سے اور شمال اور جنوب سے نکال کر جمع کروں اور انکو اس صیہون اور دوسرے ایسے صیہون کے شہروں میں آباد کروں یہانتک کہ وہ وقت آجاوے کہ جب تمام مسلمان صفحۂ دنیا سے نابود کردیئے جاویں۔ اے خدا تو ہمیں وہ وقت دکھا" ایسا ہی ۵ دسمبر ۱۹۰۳ء کو اس نے اپنی یہ خواب شایع کی کہ ایک فرشتہ نے مجھے کہا ہے کہ تو اپنے دشمنوں پر غالب آئیگا۔ یہ خواب اس مفتری نے محض حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کے لیے بطور جواب شایع کی تھی۔ کیونکہ اس پیشگوئی میں اسکی ہلاکت کی خبر تھی۔

اب ان تمام امور پر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی طرف سے مباہلہ شایع کردیا۔ اور یہ پیشگوئی کی کہ اگر ڈوئی اشارتاً بھی اب مقابلہ پر آیا تو وہ بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ آپ کی آنکھوں کے سامنے نیست و نابود کردیا جاویگا اور اس کے صیہون پر سخت آفت آویگی۔ دوسری طرف ڈوئی نے بھی اگرچہ کھلے الفاظ میں مباہلہ کو قبول نہ کیا کیونکہ وہ جھوٹا تھا اور اسکا دل اندر سے ڈرتا تھا۔ مگر وہ بے ادبی کے الفاظ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر کرتا رہا اور بڑے تحقیر آمیز الفاظ میں کیڑوں اور مکوڑوں کے ساتھ آپ کو مشابہت دیکر یہ کہا کہ میں ایسی باتوں کا کھلے لفظوں میں جواب دینا بھی اپنی ہتک سمجھتا ہوں۔ اور پھر اپنی طرف سے یہ خواب بھی شایع کی کہ میں غالب آؤنگا جو گویا حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کا کہ وہ ہلاک ہوگا جواب تھا۔ اور خدا سے یہ دعا بھی مانگی کہ اے خدا تو ہمیں جلد وہ دن دکھا کہ سارے مسلمان ہلاک ہوں جن میں وہ حضرت مسیح موعودؑ کو شامل سمجھتا تھا۔ پس یہ تمام باتیں صفائی سے ثابت کرتی ہیں کہ ڈوئی نے اپنے آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کے مباہلہ اور آپ کی پیشگوئی کا نشانہ بنایا اور وہ آپکے بالمقابل نکل کھڑا ہوا اور آپکی اور تمام مسلمانوں کی ہلاکت کے لیے دعائیں بھی کیں اور ان دعاؤں کو شایع بھی کیا۔ پس پیشگوئی کا امریکہ وغیرہ ممالک میں شایع ہونا بڑی صفائی سے ثابت ہے۔ اب دوسری بات یہ دیکھنی ہے کہ آیا یہ پیشگوئی پوری بھی ہوئی یا نہیں۔ پیشگوئی کا ماحصل یہ تھا کہ ڈوئی جو حضرت مسیح موعودؑ سے عمر میں قریباً گیارہ سال چھوٹا تھا آپ کی زندگی میں مرجائیگا۔ اور کہ وہ شخص جو پیشگوئی کے شایع ہونیکے وقت بادشاہوں کی طرح محلوں میں رہتا تھا اور جس کے اشارہ پر ہزارہا آدمی اسکے آگے جھک جاتے تھے جس کا روپیہ کروڑوں میں گنا جاتا تھا اور جس کی صحت نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی اور جس کا نہ صرف یہی دعوی تھا کہ میں ہر قسم کی بیماریوں سے محفوظ رہونگا بلکہ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ میں لوگوں کو بھی بیماریوں سے شفا دے سکتا ہوں وہ شخص

انجام کار اسی زندگی میں بڑی بڑی حسرتیں اور دکھ اٹھائیگا اور وہ صیہون جسے وہ مسیح کے آنیکے لیے تیار کر رہا تھا اسپر آفت آئے گی۔ اب جو حالات ڈوئی کی پیشگوئی کے بعد اخباروں میں شایع ہوتے رہے ہیں وہ نہایت صفائی سے اس پیشگوئی کے پورا ہونیکو ثابت کر رہے ہیں۔ پیشگوئی کے شایع ہونیکے وقت یعنی اگست ۱۹۰۳ء میں ڈوئی کے اس کے اپنے بیان کے مطابق ایک لاکھ سے زیادہ مرید تھے۔ سفر میں اسکی ذاتی ضروریات کیلیے ایک اتنا بڑا عملہ افسروں اور ملازموں کا اسکے ساتھ رہتا تھا جیسے کسی نواب یا راجہ کے ساتھ۔ اس کے واعظ دنیا کی تمام ممالک میں اور خصوصاً عیسائی ممالک میں بکثرت پھیلے ہوئے تھے جنکی تنخواہیں وہ دیتا تھا صیہون میں اس کے کارخانے لاکھوں روپے کما رہے تھے۔ ایک صیہون کے شہر کا تو وہ دافعی مالک تھا مگر اس کے ساتھ ہی وہ اور بھی کئی اس قسم کے صیہون آباد کرنیکی تجاویز کر رہا تھا۔ وہ ایسا مضبوط تھا اور اس کی جسمانی صحت ایسی اچھی تھی کہ وہ بیماری کو شیطان کی طرف منسوب کرکے کہا کرتا تھا کہ میں کبھی بیمار نہیں ہونگا۔ پیشگوئی کے شایع ہونے کے دو سال بعد تک اسکی دولت اور اسکے سلسلہ میں ویسی ہی ترقی رہی (اگرچہ یہ فوری اثر ہوا تھا کہ وہ انہی دنوں میں یعنی پیشگوئی کے شایع ہونیکے معاً بعد ولد الزنا ثابت ہوا۔ اور اس نے اپنی ماں پر آپ زنا کی تہمت لگائی اور خود اخباروں میں اس بات کو شایع کیا کہ جس شخص کے ساتھ اسکی ماں کا نکاح ہوا تھا وہ اسکا اصلی باپ نہ تھا بلکہ اس کی ماں کا نکاح سے پہلے کسی دوسرے امیر آدمی کے ساتھ ناجائز تعلق تھا اور وہ نکاح کے ایک یا دو مہینہ بعد ہی پیدا ہو گیا تھا مگر چونکہ عیسائی ممالک میں نہ زنا کاری کو عیب سمجھا جاتا ہے اور نہ ولد الزنا ہونیکو کوئی ذلت خیال کیا جاتا ہے اس لیے ہم نے اس بات کا تذکرہ انگریزی اشتہار میں نہیں کیا۔ ان ممالک میں کثرت فسق و فجور سے ان باتوں کو عیب کی باتیں نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے اگرچہ یہ واقعی ایک بڑی بھاری ذلت تھی جو مباہلہ اور پیشگوئی کا فوری اثر تھا مگر ہم نے اس قوم کے اخلاقی حالات کے لحاظ سے اسکا تذکرہ نہیں کیا) سب سے پہلی بڑی مصیبت جو عذاب کے رنگ میں اسپر وارد ہوئی وہ فالج کا گرنا تھا جو یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کو ہوا۔ پھر ایک دوسرا حملہ فالج کا اسپر ۱۹۔ دسمبر کو اسی سال میں ہوا اور اس حملہ نے اسے اٹھنے کے قابل نہ چھوڑا اور نہ ہی وہ کسی کام کے قابل رہا۔ پس جب وہ سخت بیماری سے بالکل لاچار ہو گیا تو صیہون کے کاروبار کو اپنے ماتحتوں کو سپرد کرکے خود ایک جزیرہ میں جس کی آب و ہوا صحت کے لحاظ سے اچھی تھی چلا گیا۔ مگر یہ اس کے دکھوں اور مصیبتوں کا انتہا نہ تھا بلکہ ابتدا ہی ثابت ہوا۔ اور اسکے بعد وہ دکھ اور حسرتیں اس نے اٹھائیں جو اس سے پہلے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ جب وہ صیہون کو چھوڑ کر چلا گیا تو اس کے مریدوں کو معلوم ہوا کہ اس کی اندرونی زندگی نہایت ناپاک اور سیاہ کاری کی تھی۔ اور اسپر نہایت خطرناک الزام لگائے گئے۔ معلوم ہوا کہ جیسے وہ مریدوں کو شراب بلکہ تمباکو نوشی سے بھی روکتا تھا تو خود گھر جاکر مزے سے شراب پیا کرتا تھا چنانچہ اسکی کوٹھڑی سے جس میں وہ کسی دوسرے کو جانیکی اجازت نہ دیتا تھا شراب برامد بھی ہوئی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے تعلقات بعض کنواری لڑکیوں سے مشکوک تھے۔

اور وہ تجویز کرنی چاہتا تھا کہ سات کنواری لڑکیاں اس کی خدمت میں رہا کریں۔ قریب پچاسی لاکھ روپئے کی اسکی خیانت بھی ثابت ہوئی کیونکہ یہ روپیہ صیہون کے حساب میں سے کم تھا۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک لاکھ سے زیادہ روپیہ اس نے صرف بطور تحائف خوبصورت صیہون کی عورتوں کو دیدیا تھا۔ ان الزامات سے ڈوئی اپنی بریت ثابت نہ کرسکا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکے مرید سارے کے سارے اسکی ان ناپاک اور گندی کارروائیوں سے اس سے مرتد ہوگئے اور اسکو گالیاں دیتے تھے اور اسکے بیٹے اور عورت نے بھی ان الزامات کی تائید میں اسکی خفیہ کارروائیوں کا اظہار کیا۔ اسطرح چند ماہ کے عرصہ میں ہی اسکی ساری عزت خاک میں مل گئی۔ کروڑوں روپیوں میں سے ایک پیسہ بھی اس کے ہاتھ میں نہ رہا اور سارے مرید یکمرتبہ ہی اس سے بیزار ہوگئے۔ اور اسکی سیاہ کاریاں جو اسکے اپنے مریدوں نے ظاہر اور شایع کیں ساری دنیا نے دیکھیں اور اسپر لعنت بھیجی۔ اس سے بڑھکر دُکھوں اور حسرتوں کا اور کیا نقشہ ہوسکتا ہے؟ ڈوئی نے یہ کوشش کی کہ عدالتوں کے ذریعہ صیہون پر اور روپئے پر قبضہ حاصل کرے مگر اس میں بھی اسے ناکامی ہوئی۔ وہ صیہون کا شہر جہاں ہزاروں آدمی اس کے اشارے پر جھکا کرتے تھے جب وہ واپس اس شہر میں آیا تو ایک بھی آدمی اس کے استقبال کیلیے موجود نہ تھا۔ اس نے چاہا کہ اپنے مریدوں کے سامنے اپیل کرکے انکو پھر اپنا مطیع کرے مگر چاروں طرف اسکے لیے مایوسی ہی مایوسی تھی۔ جسمانی طور پر اسکی حالت ایسی خراب ہوگئی تھی کہ وہ خود اُٹھکر ایک قدم بھی نہ چل سکتا تھا بلکہ اسکے حبشی ملازم اسے ایک جگہ سے اُٹھاکر دوسری جگہ لیجاتے تھے۔ تینوں ہی چیزوں پر اسے ناز تھا اور تینوں اسکے پاس نہ رہیں نہ صحت رہی نہ دولت رہی نہ مرید رہے۔ اور اسطرح چند ہی ماہ میں ایک بڑے عروج کی حالت سے وہ سخت ذلت کی حالت میں گر گیا۔ چاروں طرف سے حسرتیں اور دُکھ ہی اسکو نظر آتے تھے اور اسکی یہ حالت تھی کہ اسی دنیا میں وہ دوزخ میں پڑا ہوا تھا۔ دُکھ اور مصیبتیں انتہا کو پہنچ گئیں۔ اس کے بعد وہ دیوانہ ہوگیا اور حواس بالکل جاتے رہے اور یہ اسکی زندگی کی آخری حالت تھی۔ اور اب اسکی موت کے ساتھ اس عظیم الشان پیشگوئی کے پورا ہونے کی تکمیل ہوگئی ہے۔ اسکی موت کا واقعہ ۹ مارچ ۱۹۰۷ء کی صبح کو آٹھ بجے کے قریب ہوا۔

جسقدر شہرت ڈوئی نے حاصل کی وہ بہت بڑی شہرت تھی مگر اسکی ذلت جو پیشگوئی کے بعد ظاہر ہوئی وہ اس پہلی شہرت سے بھی بڑھ گئی۔ اس کا عروج اور ترقی واقعی حیرت انگیز تھے مگر اُسسے کہیں بڑھ کر حیرت انگیز اسکا دُکھوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہونا تھا۔ اسکا دعویٰ یہ تھا کہ میں الیاس ہوں اور مسیح کی آمد کے لیے راستہ تیار کرنے اور برگزیدوں کو جمع کرنے آیا ہوں اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمی اسکے ساتھ بھی ہوگئے مگر جب پیشگوئی کے پورا ہونیکا وقت آیا تو اسکی تمام جماعت نے ہی اسکو مفتری ٹھہرایا اور اسکے خدا کی طرف سے ہونے سے انکار کیا۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں یسوع مسیح کا رسول ہوں اور یسوع مسیح کی طرح میری زندگی بھی گناہوں سے پاک ہے اور دوسروں کیلیے

ویسا ہی نمونہ ہے جیسے مسیح کی زندگی تھی مگر اس کے اپنے بیٹے اور عورت نے اسکی خفیہ سیاہ کاریوں کو طشت ازبام کیا اور تمام دنیا نے دیکھ لیا کہ جو کچھ وہ وعظ کرتا تھا خفیہ طور پر اسکے خلاف عمل کرتا تھا۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ بیماری گناہ ہے اور کہ میں لوگوں کی بیماریاں محض اپنی دعا سے اچھی کرسکتا ہوں مگر نہ صرف اسکی لڑکی ہی اس کی آنکھوں کے سامنے چیخ چیخ کر ہلاک ہوگئی اور وہ کچھ نہ کرسکا بلکہ جب وہ خود مفلوج ہوا تو نہ اسکی اپنی دعائیں اور نہ ہی اسکے ایک لاکھ مریدوں کی دعائیں کچھ اثر کرسکیں حالانکہ اس کے مفلوج ہونے سے اس کے تمام دعووں پر پانی پھرتا تھا۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ تمام مسلمان میری آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوجائیں گے۔ مگر وہ خود اسلام کے سچے مسیح کی آنکھوں کے سامنے اسکی پیشگوئی کے مطابق طرح طرح کی حسرتیں اور دُکھ اُٹھاکر ہلاک ہوگیا۔ اسکی موت کے سوال کو الگ رکھکر بھی اگر غور کیا جاوے تو اسکی نظیر ملنی مشکل ہے کہ ایک انسان اوج ترقی سے یکمرتبہ اسطرح قعر ذلت میں گر گیا ہو۔ یہ تھا ایک برگزیدہ کے مباہلہ کا اثر۔

وہ خدائی فیصلہ جو حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے مانگا تھا کہ اے خدا تو کھلے طور پر ڈوئی کے جھوٹ کو دنیا پر ظاہر فرما وہ فیصلہ ظاہر ہوچکا ہے۔ اور جو پیشگوئی اسکے انجام کے متعلق تین سال پہلے امریکہ اور یورپ میں شایع ہوچکی تھی وہ نہایت صفائی سے پوری ہوچکی ہے۔ پیشین گوئی میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ ڈوئی حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں بڑے بڑے دُکھ اُٹھاکر اور بڑی بڑی حسرتوں کے ساتھ ہلاک ہوجائیگا۔ پیشگوئی کے یہ لفظ تھے کہ وہ میری آنکھوں کے سامنے اور میرے دیکھتے دیکھتے حسرت اور دکھ کے ساتھ اس دنیا کو چھوڑ جائیگا۔ یہ ایسے لفظ ہیں جن کے نہ کوئی دوسرے معنے ہوسکتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی تشریح کے محتاج ہیں۔ یہ الفاظ ایسے وقت میں شایع کیے گئے تھے جب ڈوئی کے عروج کا ستارہ اوج پر تھا اور یہ وہم بھی نہ ہوسکتا تھا کہ وہ ایسا ذلیل ہوجائیگا ہاں اسکے انجام سے سوائے عالم الغیب کے کوئی واقف نہ تھا۔ اور اس نے جیسا کہ وعدہ فرمایا ہے کہ لا یظہر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول اپنے ایک برگزیدہ رسول پر اس انجام کو ظاہر فرمایا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ خدا کے سچے مرسل کے سامنے ہلاک ہوگا۔ فانی انسان اپنے محدود علم سے کبھی ایسی دُور از قیاس بات اور آیندہ کے مخفی اور باریک رازوں پر آگاہی پاسکتا تھا۔ کچھ عرصہ گذرتا ہے جب ڈوئی ان خطرناک مصایب اور ذلتوں کا شکار ہو رہا تھا۔ تو اسوقت بھی ہم نے اس پیشگوئی کا ذکر کیا تھا جس پر امریکہ کے ایک اخبار نے یہ لکھا تھا کہ ڈوئی جیسے مفتری کے لیے ایسے انجام کا بتا دینا کچھ غیر معمولی بات نہیں تھی۔ اور کہ ہر شخص کہہ سکتا تھا کہ ڈوئی کا انجام نہایت بُرا ہوگا۔ ایسا دعویٰ کرنا تو ایک آسان امر ہے مگر اسکو ثابت کر دکھانا محال ہے۔ اگر واقعی ہر شخص ایسا کہہ سکتا تھا تو زیادہ نہیں دو چار آدمیوں کی ہی ایسی شہادت دکھائی جاوے جنہوں نے یہ لکھا ہو کہ ڈوئی بڑی بڑی حسرتوں کے ساتھ اور سخت دُکھ اُٹھا کر ان کے

دیکھتے دیکھتے اور انکی آنکھوں کے سامنے مرجائیگا۔ قیاس سے کوئی انسان اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکتا تھا۔ بلکہ باوجود اخباروں کی مخالفت کے اسکا کام دن بدن ترقی پر تھا مریدوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جارہی تھی۔ اور روپیہ زیادہ سے زیادہ چلا آتا تھا۔ باوجود مخالفت کے وہ کروڑ پتی آدمی اور ایک شہر کا مالک بن گیا۔ باوجودیکہ اخبار والے بہتیرا کچھ اسکی مخالفت میں لکھتے تھے پر اسکا اثر کچھ بھی نہ تھا کیونکہ اسکے مریدوں کی تعداد روزافزوں ترقی پر تھی یہانتک کہ تھوڑے ہی دنوں میں ایک لاکھ آدمی اسکے ساتھ ہو گئے۔ اور چھ کروڑ روپیہ اس کے پاس جمع ہو گیا۔ اور یہ مرید اسکے انہی لوگوں میں سے تھے جو بڑے مہذب اور تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔ پس جب تک کہ ڈوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ میں نہیں آیا۔ اسوقت تک وہ ترقی ہی کرتا چلا گیا۔ اگر کوئی اور شخص بھی ہے جس نے اس عروج اور اقبال کے وقت ڈوئی کی نسبت یہ پیشگوئی کی تھی کہ وہ سخت دکھوں اور حسرتوں کیساتھ ہلاک ہو جائیگا۔ اور یہ دکھ اور حسرتیں پیشگوئی کرنیوالے کی زندگی میں ہی اسکو آئیں گی اور اسکی آنکھوں کے سامنے ہی وہ ہلاک بھی ہو جائیگا تو ہم یہ تسلیم کرلیں گے کہ واقعی اس پیشگوئی میں جو حضرت مسیح موعودؑ نے کی کوئی خارق عادت بات نہ تھی اور یہ محض انسانی عقل کا قیاس تھا۔ لیکن اگر ان ہزارہا تحریروں میں سے جو ڈوئی کے متعلق لکھی گئی ہیں ایک بھی اس مضمون کی تحریر نہیں نکل سکتی تو ایک سمجھدار آدمی کا جس کے دل میں کچھ بھی خدا کا خوف باقی ہے یہ فرض ہے کہ وہ اس پیشگوئی کے منجانب اللہ ہونے کو تسلیم کرے اور اسکی سچائی کی شہادت کو ادا کرے اور ایسا ہی اس شخص کی صداقت کی شہادت ادا کرے جسپر یہ پیشگوئی اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائی۔ ایک طالب حق کے لیے اس پیشگوئی کو منجانب اللہ سمجھنے کے لیے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اسکا پورا ہونا ایسے واقعات کے ذریعہ سے ہوا جو معمولی حالات سے الگ تھے۔ ڈوئی کی ہلاکت کے سامان جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے انپر غور کرکے ایک سمجھدار آدمی آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ یہ سامان خدائے تعالیٰ نے خاص طور پر پیدا کر دیئے تھے۔ اور کسی معمولی واقعہ کا نتیجہ نہ تھے۔ بڑی تباہی جو اسکے صیہون پر آئی وہ یہ تھی کہ اسکے مرید اسکی سیاہ کاریوں پر اطلاع پاکر اس سے برگشتہ ہو گئے اگر وہ مرض فالج میں مبتلا نہ ہوتا تو اسکا سارا کاروبار بھی اپنے ہاتھ میں ہی رہتا اور اسکی مخفی کارروائیاں ظاہر نہ ہو سکتیں۔ پس عذاب الٰہی فالج کی صورت میں اسپر گرا اور اسی سے اسکی تمام تباہی کی بنیاد پڑی جب مرید برگشتہ ہو گئے اور سارا روپیہ اور حکومت اس کے ہاتھ سے جاتی رہی اور تمام دنیا میں اسکی ذلت ہو گئی۔ تو اس صدمہ سے وہ دیوانہ اور آخر کار ہلاک ہو گیا۔ یہ واقعات خود بتاتے ہیں کہ اسکی ہلاکت معمولی طور پر نہیں ہوئی اگر ایسا ہوتا کہ اس عروج اور اقبال کی حالت میں ڈوئی کسی معمولی مرض سے مرجاتا تو پیشگوئی جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ بڑی حسرتیں اور دکھ اٹھائیگا پوری نہ ہوتی۔ مگر منشاء ایزدی یہی تھا کہ یہ پیشگوئی پوری شدومد کے ساتھ اور نہایت صفائی سے پوری ہو۔ اسلیے یہ تمام غیر معمولی واقعات اور سامان اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیئے۔

اب ہم نے وہ تمام واقعات بیان کر دیئے ہیں جن سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ڈوئی کے متعلق پیشگوئی کا شایع ہونا اور پورا ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس بات کو ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ ان واقعات سے جو نتیجہ معقولی طور پر اور انصاف کے ساتھ نکل سکتا ہے وہ نکالیں۔ اخبار امریکہ کا یہ فرض ہے کہ ان واقعات کو اصلی رنگ میں پبلک کے سامنے پیش کریں خصوصاً ان اخبارات کا جنہوں نے خود قبل از وقت اس پیشگوئی کو شایع کیا اور اس مباہلہ کا اعلان کیا جو ڈوئی کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا تھا۔ اب اس کے پورا ہونے پر پبلک کو اطلاع دینا بھی انکا فرض ہے۔ صرف اتنی بات سے کہ یہ مباہلہ اسلام اور عیسائیت کے دو وکیلوں کے درمیان تھا اور وکیل اسلام کو خدا نے اس میں غلبہ دیا حق کے اظہار سے رک جانا جوانمردی کا کام نہیں۔ خدائے تعالیٰ نے اس مباہلہ میں اپنا فیصلہ ظاہر فرمایا ہے اور ہر ایک خداترس کو خدائی فیصلہ کی عزت کرنی چاہیئے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ کسی شخص کو ہلاک کر کے نشان ظاہر کرنا خدائے تعالیٰ کی صفت رحم کے مخالف ہے۔ کیونکہ ایک شخص کی ہلاکت میں ہزاروں کی زندگی ہے اور یہ محض اس کا رحم ہے کہ ایک مفتری اور مجرم کو ہلاک کر کے ہزاروں کو زندگی کی راہ دکھائی۔

اس کے بعد ہم نے اس اشتہار میں حضرت اقدس کی دو تازہ پیشگوئیاں جو یورپ اور امریکہ کے متعلق ہیں بیان کی ہیں یعنی ایک تو بڑے بڑے زلزلوں کے آنیکی پیشگوئی۔ اور دوسری یورپ اور دیگر عیسائی ممالک میں طاعون کے پھیلنے کی پیشگوئی۔ چونکہ یہ پیشگوئیاں اردو رسالے میں الگ سلسلہ الہامات میں شایع ہو گئی ہیں اسلیئے یہاں انکے درج کرنیکی ضرورت نہیں۔ مگر ایک اور ضرورت اسجگہ محسوس ہوئی ہے اور وہ یہ کہ بعض لوگوں نے انکار کیا ہے کہ ڈوئی کے متعلق کوئی پیشگوئی شایع نہیں ہوئی سو ذیل میں دو اخباروں سے اقتباس ہم درج کرتے ہیں جن میں ایک انگلستان کا اخبار اور ایک امریکہ کا اخبار ہے۔ جن میں اس اشتہار کی جو اوپر ہم نے نقل کیا ہے بعض عبارتیں نقل کر کے ریمارک کیئے گئے ہیں جس شخص میں کچھ بھی شرم و حیا کا مادہ ہے وہ ان اقتباسوں کو پڑھنے کے بعد پیشگوئی کی قبل از وقت اشاعت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اخبار گلاسگو ہیرلڈ مورخہ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء لکھتا ہے:۔ ہمارا نامہ نگار لنڈن ، پچھلے چند ہفتوں میں ایک اشتہار بعنوان "ڈوئی کے متعلق مسیح موعود کی پیشگوئیاں" ممالک یورپ و امریکہ میں مشتہری کی غرض سے قادیان ملک پنجاب سے شایع ہوا ہے۔ یہ ایک عجیب قابل ذکر تحریر ہے جو بیس صفحہ کا پرچہ ہے زبان انگریزی میں بمقام لاہور چھپی ہے۔ لیکن مسیح موعود ایشیا کا رہنے والا ہے کیونکہ اس پرچہ میں مترجم کا نوٹ درج ہے اور پیشگوئی کے نیچے مرزا غلام احمد صاحب کے دستخط ثبت ہیں۔

"عیسائی مذہب کی غلطی!۔ یہ امر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اس اشتہار کے مضمون کو بلا مشغلہ کسی قسم کی رائے زنی کے لکھا جاوے۔ دعویٰ پیش کردہ میں کسی قسم کے شک کی گنجایش نہیں۔ مرزا غلام احمد صاحب پوری صفائی اور تفصیل سے ظاہر کرتے ہیں کہ میں وہی مسیح موعود ہوں جس نے آخری زمانہ میں آنا تھا۔ لیکن مسیح کے متعلق عام عقیدہ سے

خیال کے عیسائیوں کے خیال سے انکا خیال مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ انسان خدا بن جائے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید اور گہرا تعلق پیدا کرلے اور اس طرح سے خدائے تعالیٰ کا مظہر ہو جاوے۔ بعض اوقات ایسے انسان سے صفات الٰہی ظاہر ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صورت کا عکس اسکے آئینۂ دل پڑتا ہے اور ساتھ ہی اس کے انسانی صفات بھی ظہور میں آتی ہیں کیونکہ فطرتاً وہ ایک بشر ہوتا ہے یہی باعث ہے کہ جن لوگوں کو روحانیت میں کم دخل ہے وہ ایسے انسان کے بارہ میں دھوکہ کھا جاتے ہیں کیونکہ انکی ایک جانب نظر ہوتی ہے اور دوسری طرف سے بالکل اندھے ہوتے ہیں ایک انسان میں صفات الٰہی کا انعکاس پاکر اس ظل کو اصل خیال کرنے لگ جاتے ہیں اور ایسے شخص کو واقعی خدا تعالیٰ سمجھتے ہیں لیکن عیسائیوں کا وہ فرقہ جنہوں نے حضرت مسیح کو خدا بنایا ہے جس غلطی میں وہ پڑے ہوئے ہیں اور جو دھوکہ انکو لگا ہے وہ دیگر تمام مشرک قوموں کی غلطی اور دھوکہ سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب کے نزدیک جو بات عیسائی مذہب کے متعلق بہت مایوسی پیدا کرنیوالی ہے وہ یہ ہے کہ جب عیسیٰ کی خدائی کا جھوٹا عقیدہ موجودہ ترقی یافتہ زمانہ کی طبایع کے نزدیک قبول کرنیکے قابل نہ رہا تو ایک جھوٹے خیال کو قایم رکھنے کیلیے نئے نئے بیہودہ طریق پیش کیے جاتے ہیں اور ایک جھوٹے عقیدہ کو بحال رکھنے کیلیے نئے جھوٹے دعوی تراشے جاتے ہیں ڈاکٹر ڈوئی اور مسٹر پگٹ :۔ مرزا غلام احمد صاحب کے نزدیک سخت قابل نفرت اور نہایت بیہودہ دعاوی وہ ہیں جو ڈاکٹر ڈوئی اور مسٹر پگٹ نے کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ یورپ میں مسٹر پگٹ مسیحیت و خدائی کا دعوی کرتا ہے اور اپنے آپ کو زمین و آسمان کا مالک قرار دیتا ہے۔ اور مغربی کرہ میں چکاگو کا ڈاکٹر ڈوئی کھڑا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ میں الیاس ہوں جس نے یسوع مسیح سے پہلے آنا تھا۔ اور ۲۵ سال آیندہ کے اندر یسوع مسیح کی آمد کی پیشگوئی کرتا ہے۔ اس کام کے اختیار کرنے میں ان دو جھوٹے دعوے کرنیوالوں نے جو دلیری کی ہے اس میں ایک خفیف سا فرق ہے۔ سکاٹ لینڈ کا مفتری یعنی ڈوئی کمزور دل معلوم ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ اسکا یہ دعوی ہے کہ وہ بحیثیت ایک نوکر کے اپنے مالک (مسیح) کے واسطے راستہ تیار کرنے آیا ہے لیکن الیاس ہونیکا دعوی کرنے میں بھی بزدلی دکھلاتا ہے۔ مسٹر پگٹ ڈوئی سے زیادہ دلیر ہے۔ یعنی جھوٹے دعوے کے کرنے میں اسنے زیادہ دلیری اور جرأت دکھلائی ہے اور کہتا ہے کہ میں وہی مسیح ہوں جو پہلے آیا تھا۔ نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھکر وہ خود خدا ہونے کا دعویدار ہے یہ تمام اسکی لغویات اور کفر کی باتیں ہیں۔

دو صد ہا نشانات آسمانی :۔ مرزا غلام احمد صاحب کہتے ہیں کہ اس لیے کہ زمین بدکاریوں اور جھوٹے عقیدوں اور جھوٹے دعووں سے آلودہ ہو گئی تھی سچا مسیح سرزمین پنجاب میں نازل کیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ خدائی کا دعوی نہیں کرتا۔ لیکن اسکا مسیحیت کا دعوی بھی اپنی طرف سے نہیں ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ میری تائید میں جو سیکڑوں نشانات آسمانی ظاہر ہوئے ہیں انکے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے میری صداقت کی شہادت دی ہے میں سچ سچ کہتا

ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو برکات و فضل مجھ پر نازل کیے ہیں وہ ان فضلوں سے بدرجہا بڑھکر ہیں جو اس مسیح پر نازل ہوئے تھے جو مجھ سے پہلے گذر چکا ہے۔ میرے وجود کے آئینہ میں اللہ تعالیٰ کے چہرہ کا عکس اس پہلے مسیح کی نسبت بہت زیادہ پڑا ہے۔ اگر یہ تمام میری اپنی ہی لاف و گزاف ہے جس کی اور کوئی سند نہیں تو میں جھوٹا ہوں لیکن اگر اللہ تعالیٰ میری صداقت کی شہادت دیتا ہے تو کوئی نہیں جو مجھے جھٹلا سکے۔

"دعوت مقابلہ:۔ خصوصاً ڈاکٹر ڈوئی اور مسٹر پگٹ کی قسمت کا فیصلہ مسیح موعود کی صداقت کا ایک نشان ہوگا۔
مترجم کے نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستمبر سال گذشتہ میں بذریعہ ایک ماہواری رسالہ آپکی ریویو آف ریلیجنز قادیان کے مسیح موعود کی جانب سے ڈاکٹر ڈوئی کو دعوت مقابلہ کی گئی تھی۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈوئی نے پیشگوئی کی تھی کہ تمام مسلمان ہلاک ہوجاویں گے اس لیے کہ وہ یسوع مسیح کو خدا اور ڈوئی کو ایلیاس نہیں مانتے اس تحریک سے جو دعوت مقابلہ کی گئی اس کے الفاظ یہ ہیں۔ "اس امر کا فیصلہ کہ مسلمانوں کا خدا سچا خدا ہے یا ڈوئی کا خدا سچا ہے ان لاکھوں مسلمانوں کو ضایع کرنیکے بغیر بھی ہوسکتا ہے جن کے ضایع ہونے کی ڈوئی پیشگوئی کرتا ہے وہ طریق فیصلہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو تباہی کی دھمکی دینے کی بجائے اسکو چاہیئے کہ وہ صرف مجھے حریف مقابل منتخب کرلے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ جو ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ پہلے ہلاک ہوجاوے۔ اس تجویز کے قرار دینے میں میں نے خود بخود ابتدا نہیں کی بلکہ ڈوئی کی جرأت کے سبب سے اللہ تعالیٰ کی غیرت نے چاہا ہے کہ ایسا ہی ہو"

"ایک پیشگوئی:۔ اس دعوت مقابلہ کا بظاہر کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔ لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دعوت مقابلہ خالی از نتیجہ بھی نہیں رہی۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈوئی نے اپنے فرقہ کے پرچہ نامی "لیوز آف ہیلنگ" کی گذشتہ اشاعت میں عیسائیوں کو تثلیث کے عقیدہ کا الزام دیا ہے اور یہودیوں اور مسلمانوں کے ساتھ جو توحید الٰہی پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہمدردی ظاہر کی ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب اپنی پیشگوئی مورخہ ۲۳۔ اگست گذشتہ میں ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اپنی دعوت مقابلہ کے جواب کا سات ماہ آیندہ تک انتظار کریں گے۔ اگر اس عرصہ میں ڈاکٹر ڈوئی نے اس مقابلہ کو منظور کرلیا اور اسکی شرائط کو پورا کیا تو تمام دنیا اس مقابلہ کا انجام دیکھ لے گی۔ میری عمر ستر سال کے قریب ہے حالانکہ ڈاکٹر ڈوئی صرف ۵۵ سال کی عمر کا ہے۔ لیکن چونکہ اس امر کا انفصال عمر پر نہیں ہے۔ اسواسطے میں ان عمر کے سالوں کی تفاوت کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ مرزا غلام احمد صاحب کہتے ہیں کہ اگر اب بھی ڈوئی مقابلہ سے انکار کریگا تو امریکہ کے پیغمبر کے دعاوی جھوٹ اور افترا ثابت ہوجاویں گے۔ مسٹر پگٹ کے بارہ میں مسیح موعود کی پیشگوئی ہے کہ وہ خدائی کا متکبر مدعی میری حیات میں تباہ ہوجاوے گا۔

"ایک دلیری کا دعویٰ:۔ شاید اس امر کا لکھنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ مترجم اپنے نوٹ کے آخری فقرہ میں ماہ گذشتہ کے رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ایک آرٹیکل کی طرف توجہ دلاتا ہے جس میں درج ہے کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا

بلکہ وہاں سے اپنی جان بچا کر بھاگ آیا تھا اور بعد ازاں بمقام سرینگر ملک کشمیر وفات پائی جہاں محلہ خانیار میں اب تک اس کی قبر موجود ہے۔“

اخبار نیویارک کمرشل ایڈورٹائزر لکھتا ہے ”دُور دراز ملک ہند سے ایک چھپا ہوا اشتہار مرزا غلام احمد کی طرف سے آیا ہے جو پنجاب۔ قادیان سے لکھتے ہیں ..... انہوں نے الیاس ثالث کو مقابلہ میں بلایا ہے کہ وہ اپنے دعوے کو ثابت کر کے دکھاوے مگر ابھی تک صیہون شہر کے مسیح نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنے دعویٰ الوہیت٭ کے ثبوت میں ہندوستانی مسیح کہتا ہے کہ جب خدا نے دیکھا کہ زمین پر بدی اور ناپاکی پھیل گئی ہے تو اس نے مجھے پنجاب کی زمین میں مبعوث کیا کیونکہ اس کے کام عجیب ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”مَیں وہ سچا مسیح ہوں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونیوالا تھا۔ یہ خدا نے مجھے کہا ہے اور مَیں صرف اپنے مُنہ سے نہیں کہتا کہ مَیں مسیح موعود ہوں بلکہ وہ خدا جس نے زمین و آسمان بنایا ہے میری گواہی دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی یہ شہادت سینکڑوں آسمانی نشانوں کے ذریعے ظاہر ہوئی ہے جو اس نے میری تائید میں دکھائے ہیں۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اسکا فضل اس مسیح سے مجھ پر زیادہ ہے جو مجھ سے پہلے گذر چکا ہے۔ میرے آئینہ میں اس کا چہرہ اس سے زیادہ وسیع طور پر منعکس ہوا ہے جو اسکے آئینہ میں ہوا تھا۔ اگر یہ صرف میرے مُنہ کی باتیں ہیں اور اور کوئی گواہی میرے پاس نہیں تو مَیں جھوٹا ہوں لیکن اگر خدا تعالیٰ میرے لیے گواہی دیتا ہے تو کوئی مجھے جھوٹا قرار نہیں دے سکتا۔ ہزاروں دفعہ اس نے میرے لیے گواہی دی ہے اتنی دفعہ کہ مَیں شمار بھی نہیں کرسکتا۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی گواہی ہے کہ یہ دلیر دروغ گو یعنی پگٹ جس نے خدا ہونیکا لنڈن میں دعویٰ کیا ہے وہ میری آنکھوں کے سامنے نیست و نابود ہو جائیگا۔ دوسری یہ گواہی ہے کہ مسٹر ڈوئی اگر میری درخواست مباہلہ قبول کرے گا اور صراحتًا یا اشارۃً میرے مقابلہ پر کھڑا ہوگا۔ تو میرے دیکھتے دیکھتے بڑی حسرت اور دکھ کے ساتھ اس دنیائے فانی کو چھوڑ دیگا۔ یہ دونشان ہیں جو یورپ اور امریکہ کے لیے خاص کیے گئے ہیں کاش وہ انپر غور کریں اور انسے فایدہ اٹھاویں۔

یاد رہے کہ ابتک ڈوئی نے میری اس درخواست مباہلہ کا کچھ جواب نہیں دیا اور نہ اپنے اخبار میں کچھ اشارہ کیا۔ اس لیے میں آج کی تاریخ سے جو ۲۳۔ اگست ۱۹۰۳ء ہے اسکو پورے سات ماہ کی اور مہلت دیتا ہوں اگر وہ اس مہلت میں میرے مقابلہ پر آگیا۔ اور جس طور سے مقابلہ کرنیکے لیے تجویز کی ہے جسکو مَیں شایع کرچکا ہوں اس تجویز کو پورے طور پر منظور کر کے اپنے اخبار میں عام اشتہار دیدیا تو جلد تر دنیا دیکھ لے گی کہ مقابلہ کا انجام کیا ہوگا۔ مَیں عمر میں ستر کے قریب ہوں اور وہ قریبًا پچپن سال کی عمر کا ہے۔ اور اس لیے میرے مقابلہ میں گویا ایک جوان آدمی ہے لیکن مَیں نے اپنی عمر کی کچھ پروا نہیں کی۔ کیونکہ اس مباہلہ کا فیصلہ عمروں کی حکومت سے نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ خدا جو زمین و آسمان کا مالک اور احکم الحاکمین ہے۔ وہ اسکا فیصلہ کریگا۔ اور اگر مسٹر ڈوئی اس

٭ مسیح کی الوہیت کا غلط عقیدہ جیسا کہ اس قوم کے دلوں میں جم گیا ہے ... محض دعویٰ مسیحیت خودی کا دعویٰ الوہیت سمجھ لیا ہے۔ منہ

مقابلہ سے بھاگ گیا۔ تو دیکھو آج میں تمام امریکہ اور یورپ کے باشندوں کو اسپر گواہ کرتا ہوں کہ یہ طریق اسکا بھی شکست کی صورت سمجھی جاوے گی۔ اور نیز اس صورت میں پبلک کو یقین کرنا چاہیئے کہ یہ تمام دعویٰ اسکا الیاس بننے کا محض زبان کا مکر اور فریب تھا اور اگرچہ وہ اسطرح سے موت سے بھاگنا چاہیگا لیکن درحقیقت ایسے مقابلہ سے گریز کرنا بھی اس کے لیے موت ہی ہوگا۔ اور یقین سمجھو کہ اسکے صیہون پر جلد تر ایک آفت آنیوالی ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ایک صورت ضرور اسکو پکڑ لے گی"

اس بات کو مدنظر رکھکر کہ احمدؐ نے ڈوئی کو سخت مشکلات میں پھنسا دیا ہے یہ قرین قیاس ہے کہ موخرالذکر ان مشکلات میں پھنسا رہیگا بہ نسبت اس کے کہ کھلے میدان میں مقابلہ پر آئے اور دنیا کو سخت دُکھ اور حسرتوں کے ساتھ چھوڑے"

ان خلاصوں سے پیشگوئی کا شایع ہونا نہایت واضح طور سے ثابت ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ طالبان حق اس کھلے کھلے نشان سے ضرور فایدہ اُٹھائیں گے۔

قرآن کریم کی تفسیر

بہت مدت سے میرا دل اس بات کو چاہتا تھا کہ ریویو آف ریلیجنز کا ایک حصہ قرآن شریف کی ایک تفسیر عام فہم اردو زبان میں ہو تا کتاب الٰہی کا سچا علم اور تعلیم ہمارے احباب میں ترقی کرے۔ مگر حالات اجازت نہ دیتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر امر کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ اور اس آرزو کے پورا ہونیکا یہ وقت آگیا ہے تھوڑے عرصہ سے رسالہ تعلیم الاسلام کا نکالنا تجویز ہوا جس کی اہم غرض قرآن شریف کی ایک تفسیر کا مہیا کرنا تھا۔ اس رسالہ کو شروع ہوئے ۹ ماہ گذر چکے ہیں اور اس عرصہ میں تین سو سے زائد صفحات قرآن شریف کی تفسیر کے اس میں نکل چکے ہیں۔ اس تفسیر کے متعلق صرف اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب جو کچھ درس قرآن میں فرماتے ہیں وہ مع شئی زائد اس تفسیر میں موجود ہوتا ہے۔ تفسیر کو ترتیب مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب دیتے ہیں جنہوں نے جہاں تک اس تفسیر کو دیکھا ہے۔ نہایت بیش قیمت پایا ہے اور حضرت مولوی صاحب نے بھی اکثر اوقات اس کی بہت تعریف کی ہے۔ عام فہم ہے۔ اور الفاظ اور ان کے معانی کی پوری تشریح کیجاتی ہے۔ احمدی قوم کی یہ ایک بڑی بھاری ضرورت تھی۔ جو اس رنگ میں پوری ہوئی۔ اب میری غرض اس ذکر کرنے سے یہ ہے کہ یہ رسالہ ایک ایسا قیمتی رسالہ تھا جو ہر ایک فرد کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے تھا اسی غرض سے اسکی قیمت صرف عہ سالانہ رکھی گئی تھی۔

مگر اس وجہ سے کہ جماعت کو اس رسالہ کے اغراض اور اس کے مضامین سے کماحقہ آگاہی نہ ہوئی۔ اس کی اشاعت بھی ابتک بہت محدود رہی اس کی توسیع اشاعت کا سوال جسپر دیر سے غور ہو رہا تھا۔ اب اس طرح پر حل کیا گیا ہے کہ اس رسالہ کو رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ساتھ ملا دیا جاوے اور اس کی قیمت میں بھی تخفیف کیجاوے ابتک اس رسالہ میں قریباً تیس ۳۰ بتیس ۳۲ صفحے تفسیر کے علی العموم رہے ہیں مگر آیندہ صرف بیس ۲۰ صفحے ہوں گے مگر چونکہ یہ بیس ۲۰ صفحے میگزین کی لکھائی کے مطابق ہونگے اس لیے ان میں مضمون انشاء اللہ اسی قدر ہوگا جس قدر پہلے تیس ۳۰ یا بتیس ۳۲ صفحوں میں ہوتا تھا اور اس کی لکھائی اور چھپائی پر ویسی ہی محنت صرف کیجاویگی جیسے ابتک میگزین پر کیجا رہی ہے۔ اور یہ حصہ بطور ضمیمہ ریویو آف ریلیجنز ہوگا جس کی قیمت صرف ۱۲ ر سالانہ ہوگی۔ اور موجودہ خریداران ریویو کو اختیار ہوگا جو صاحب چاہیں اسے بطور ضمیمہ خریدیں اور جو نہ چاہیں نہ خریدیں ریویو کی اصل قیمت وہی ہوگی جو اب تک رہی ہے یعنی صرف عہ سالانہ اور صرف ضمیمہ کے خریداروں سے ۱۲ ر سالانہ زیادہ لیے جائینگے یہ اتنی تھوڑی قیمت ہے کہ اس میں انجمن کا کوئی فایدہ مدنظر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ اس وجہ سے کہ قرآن شریف کا علم حاصل کرنا ہر ایک سچے احمدی کا کام ہے۔ کیونکہ اصل غرض بعثت امام علیہ السلام کی قرآن کریم کی تعلیم دوبارہ دنیا میں زندہ کرنی ہے اس لیے انجمن نے پسند کیا ہے کہ جہانتک ممکن ہو رعایت کے ساتھ ایک مکمل تفسیر قرآن کریم کی سب احباب کے ہاتھوں تک پہنچائی جائے۔ ۱۲ ر میں سے ۴ ر سالانہ کا خرچ تو صرف ٹکٹ وغیرہ کا ہی ہو جائیگا اس طرح سے صرف ۸ ر میں ایک دو سو چالیس صفحوں کی گنجان اور خوش خط چھپی ہوئی کتاب سال میں اس ضمیمہ کے خریداروں کو پہنچ جاویگی۔ میں امید کرتا ہوں کہ ریویو آف ریلیجنز کے خریدار اس نادر موقعہ سے فایدہ اٹھائیں گے۔

اس تفسیر میں اس بات کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے کہ جو جو اعتراضات قرآن شریف پر کیے گئے ہیں۔ ان کا جواب بھی ساتھ ساتھ دیا جاویگا۔ اسی لیے کسی قدر لمبی بھی ہو جاویگی۔ نیا انتظام ماہ مئی سے شروع ہوگا اور اپریل کا رسالہ غالباً اپنے وقت پر ہی روانہ ہوگا۔ لہذا سنہ ۱۹۰۷ء کے آخر تک صرف ۸۔ ماہ باقی ہونگے اور ان ۸۔ ماہ کے لیے ضمیمہ کا چندہ صرف ۸ ر رہیگا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ کم از کم ان آٹھ ماہ کیلیے ہمارے احباب خود اس تفسیر کو منگوا کر پڑھیں گے۔ پھر انشاء اللہ وہ خود اسکی قدر کرنے لگیں گے۔ درخواستیں بہت جلد آنی چاہیئیں کیونکہ ضمیمہ صرف اسی قدر چھپوایا جائیگا جس قدر درخواستیں اس کیلیے آئیں گی۔ تفسیر کے پچھلے حصہ کی بھی چند کاپیاں موجود ہیں اگر احباب خریدنا چاہیں تو تھوڑی سی درخواستوں کی تعمیل ہو سکے گی۔ اس حصہ کی قیمت جس میں قریباً ساڑھے تین سو صفحے تفسیر کے ہونگے عہ ہے

نوٹ نمبر ا ضمیمہ الگ بھی جاری کیا جا سکتا ہے یعنی جو لوگ ریویو آف ریلیجنز نہ خریدتے ہوں انکے نام بھی ضمیمہ جاری ہو سکتا ہے۔ مگر ایسے احباب کے لیے اسکی قیمت ایک روپیہ سالانہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں اخراجات بڑھ جاتے ہیں ایسا ہی جو لوگ سال ختم ہونے کے بعد اکٹھا خریدیں گے انکو بھی ایک روپیہ قیمت ادا کرنی ہوگی۔

نوٹ نمبر ۲۔ ضمیمہ کی قیمت میں ان رعایتوں میں سے کوئی رعایت نہ ہوگی۔ جو ریویو کی قیمت میں طلباء وغیرہ کے ساتھ کیجاتی ہے۔ کیونکہ اس قیمت پر بمشکل اصل لاگت ہی واپس آئے گی۔

جملہ درخواستیں بنام نائب ناظم میگزین قادیان اور روپیہ بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ آنا چاہیئے۔

چند نتیجہ خیز تازہ واقعات

زیں نشانہا بدرگاں کور و کر اند ٭ صد نشاں بینند و غافل بگذرند

(۱) سب سے اوّل قابل ذکر وہ حیرت انگیز اور ہولناک واقعہ ہے جسکو تمام پنجاب اور کشمیر میں لوگوں نے دیکھا۔ یہ واقعہ ۳۱۔ مارچ کا ہے۔ گذشتہ رسالہ میں ۷ مارچ کی تاریخ کے نیچے حضرت مسیح موعودؑ کی یہ پیشگوئی شایع ہو چکی ہے جس کو ہمارے ناظرین ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ الہام کی تاریخ سے پچیس دن تک یا پچیس دن گذرنے پر ”کوئی ہولناک اور تعجب انگیز واقعہ“ ہوگا۔ اب ۷۔ مارچ سے پچیس دن ۳۱ مارچ کو پورے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب پورے پچیس دن گذر گئے اور پچیسویں دن کا آخری حصہ تھا یعنی ۳۱ مارچ پانچ بجے شام کے قریب اسوقت آسمان پر ایک ایسا حیرت انگیز اور ہولناک واقعہ ظاہر ہوا جسکو سیکڑوں میلوں تک لوگوں نے دیکھا۔ اور سخت حیرت زدہ اور ہراساں ہوئے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں اور لوگوں کو تو چھوڑو مسلمانوں کی کیا حالت ہو رہی ہے سیکڑوں نشان اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور پھر ایسے لاپرواہیں کہ گویا کچھ بھی نہیں دیکھا۔ کیا یہ بھی کسی قیاس سے پیش از وقت بتایا جا سکتا تھا کہ ۳۱ مارچ کو ایک نشان ظاہر ہوگا جو تمام لوگوں کو حیرت میں ڈالدیگا اور ہولناک ہوگا؟ آہ! کیسے کھُلے کھُلے نشان خدا کی ہستی کے اور ایک مامور من اللہ کی صداقت کے ان لوگوں کو دکھائے گئے مگر بہت ہی کم ہیں جو فایدہ اُٹھاتے ہیں۔ مگر اس انکار کو خدا تعالیٰ بے سزا نہیں چھوڑتا جوں جوں لوگوں کا انکار بڑھ رہا ہے اور نشان پر نشان دیکھکر وہ مُنہ پھیر رہے ہیں ویسے ہی قہار خدا کا غضب بھی دن بدن زیادہ تیز ہو رہا ہے۔ خواندہ اور جاہل۔ دہریہ اور خدا ماننے والے سب کی ایک ہی حالت ہو رہی ہے اور فرق کرنا مشکل ہے۔ مگر یہ جو کچھ ظلم لوگ کر رہے ہیں اسکا وبال آخرانہی پر پڑ رہا ہے۔ ایک ایک نشان جو ظاہر ہو رہا ہے کیسا دل کو تسکین بخشنے والا اور اطمینان دینے والا ہے مگر اکثر لوگ عمداً خواب غفلت سے بیدار ہونا نہیں چاہتے۔ اس ہولناک اور حیرت انگیز واقعہ کی جس کے ظہور کا پچیس دن پیشتر وعدہ دیا گیا تھا اور ۳۱۔ مارچ کی تاریخ بتائی گئی تھی۔ اب تفصیل کی کچھ حاجت باقی نہیں ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص اس سے واقف ہو چکا ہے۔ نہ اس پیشگوئی کی صداقت کے لیے کسی لمبی تفتیش کی ضرورت ہے۔ یہ واقعہ ایسا نہیں کہ اگر کسی کی آنکھوں سے مخفی رہ گیا ہو تو اس کے کانوں نے معتبر ذرایع سے سُن لیا ہو۔ باقی رہی پیشگوئی کی قبل از وقت اشاعت سو جو شخص چاہے اس رسالہ کی گذشتہ

ماہ کی اشاعت میں یعنی ۲۰۔ مارچ کے پرچہ میں سلسلہ الہامات میں اسے دیکھ سکتا ہے اور ایسا ہی اخبار بدر اور الحکم میں اسے دیکھ سکتا ہے۔ اس ستارہ کا گرنا معمولی شہاب کے رنگ میں نہیں بلکہ ایسے ایسے عجیب حالات اس کے بیان کیے گئے ہیں جو کوئی شخص بیان نہیں کرسکتا کہ پہلے بھی اسکی آنکھوں نے کبھی دیکھے ہوں بلکہ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کے ۳۔ اپریل کے پرچہ میں یہ لکھا ہے کہ بہت سے نامہ نگار یہ سوال کرتے ہیں کہ ایسے شہاب کے گرنیکی کوئی پہلے بھی نظیر موجود ہے اور نہ ایڈیٹر اخبار سے نہ ہی اور نہ کسی دوسرے شخص نے اسکی کوئی نظیر بیان کی ہے۔ یہ نظارہ ایسا ہولناک تھا کہ بعض جگہ جن لوگوں نے اسے دیکھا وہ بیہوش ہوگئے بعض ڈر کر گھروں کو بھاگ گئے۔ اخبار سول کے ۶۔ اپریل کے پرچہ میں ضلع گوجرانوالہ کے ایک نامہ نگار کا خط چھپا ہے کہ اس ضلع کے تین مواضع میں آسمان سے آگ کے گولے برسے اور لوگ بہت ہی خوف زدہ ہوگئے ہیں۔ ڈلہوزی اور کشمیر سے دو انگریزوں کے خطوط بھی چھپے ہیں ایک ۶۔ اپریل کے پرچہ میں اور دوسرا ۱۰۔ اپریل کے پرچہ میں جو اس واقعہ پر حیرت ظاہر کرتے ہیں۔ ڈلہوزی سے جس انگریز نے لکھا ہے وہ کہتا ہے کہ مختلف بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہاب نہیں بلکہ ایک ہی وقت میں شہابوں کی بکثرت بارش ہوئی جن میں سے بعض دیکھے گئے اور بعض نہیں دیکھے گئے۔ کشمیر سے جس انگریز نے لکھا ہے اس نے بھی اس واقعہ پر بہت حیرت ظاہر کی ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں ابھی تحقیقات کرونگا کیونکہ یہ معاملہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا واقعہ تھا۔ خود قادیان میں اس کثرت سے اس واقعہ کے ہولناک اور حیرت انگیز ہونیکے متعلق خطوط پہنچے ہیں کہ ان سب کا حوالہ دینے کے لیے بھی کئی صفحے بکار ہیں۔ مگر ہم مزید شہادت کے لیے پیسہ اخبار کے چند نامہ نگاروں کی تحریریں نقل کرتے ہیں جو روزانہ پیسہ کے ۸ تاریخ کے اخبار میں چھپی ہیں۔

تحصیل جہلم۔ ۳۱۔ مارچ کو بروز اتوار تقریباً ۴ بجے شام کو ایک شعلۂ آتش آسمان پر مغرب سے نمودار ہو کر مشرق کی طرف جا کر غائب ہوگیا اور اخیر ایک بادل سا نظر آیا...... یہ خدا کی قدرت دیکھکر سب حیران رہ گئے۔

سنگھنئل ریاست جموں۔ کل شام ۴ بجے عجیب قدرت دیکھنے میں آئی (اور پھر اسی واقعہ کا ذکر کرکے اخیر پر لکھتا ہے) سب لوگ خوف زدہ ہورہے ہیں۔

ضلع گورداسپور۔ کل شام ۳۱۔ مارچ بوقت ۴ بجکر ۵ منٹ پر ایک ستارہ یعنی ایک سخت تیز روشنی بسان ایک مشعل کے جس کے پیچھے ایک گز نہایت ہی سفید و شفاف چاندی کا سا دستہ معلوم ہوتا تھا۔ جنوب سے شمال کو جاتا ہوا معلوم ہوا۔ اور پھر آخر وہ ایک جگہ زمین پر گرتا ہوا بھی معلوم ہوا جس جگہ وہ گرا اسجگہ سے تین مختلف جگہ سے دھواں نمودار ہوا اور اس کے بعد ایک بڑی ہولناک گرج سنائی دی مجھے جہانتک معلوم ہوا ہے سات سات میل کے فاصلہ پر یہی حال ظہور میں آیا ہے۔ لوگ بیچارے دیہاتی اس کیفیت کو دیکھکر سخت حیرت زدہ ہورہے ہیں۔

ضلع گجرات۔ عجائبات قدرت حق میں سے ایک کا مشاہدہ ہوا...... ہزارہا لوگ دیکھکر حیران ہوئے۔

ضلع راولپنڈی۔ ۳۱۔ مارچ کو دوپہر سے تا بوقت زوال مختلف جگہوں پر اس علاقہ میں آسمان سے شعلے آتش کے

بشکل برج آتشی گرتے نظر آئے۔ اور زمین کے نزدیک آتے ہی دھواں بنکر غائب ہو گئے۔

گڈاری تحصیل جہلم۔ کل ۳۱۔ مارچ کو بوقت ساڑھے تین بجے شام کے ایک شعلہ آتشیں ایسا نظر آیا کہ جس کے سامنے سورج کی روشنی بھی مات ہو گئی تھی...... دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں ایک دو آدمی نے نہیں دیکھا بلکہ صدہا نے دیکھا ہے لوگ بہت ششدر رہیں شاید یہ بھی قیامت کے مقررہ آثار میں سے کوئی نشان ہو۔

ضلع فیروزپور۔ ۳۱۔ مارچ کی آسمانی آگ نے عوام الناس کو خائف کر رکھا ہے (پھر واقعہ کو بیان کر کے لکھا ہے) اکثر آدمی خوف سے گھروں کو بھاگ آئے۔ اس سے لوگ بہت ہراساں ہو رہے ہیں۔

(۲) یہ نشان تو آسمان سے ظاہر ہوا ہے۔ اب میں ایک ایسے نشان کا ذکر کرتا ہوں جو انہی دنوں میں زمین پر ظاہر ہوا۔ اور اسطرح ان نشانوں نے ملکر حضرت خلیفۃ اللہ کے اس دعوے کی تصدیق کی ہے جو اس شعر میں کیا گیا ہے کہ ؎ آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمیں۔ ایں دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند۔ بعض ناعاقبت اندیش کوتہ نظروں نے یہ کہا ہے کہ منشی الٰہی بخش کی موت پر احمدی بغلیں بجائیں گے مگر وہ یاد رکھیں کہ موت ہر ایک انسان پر آنیوالی ہے۔ یہ سراسر نادانی اور حماقت کا قول ہے۔ ہم نے موت کے آنے سے کب انکار کیا اور کب کہا ہے کہ ہم نہیں مرینگے۔ بلکہ میں بصیرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ موت کو خود ان لوگوں نے بھلایا ہوا ہے۔ جو خدا کے نشان دیکھتے ہیں اور ان سے منہ پھیر کر ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ اگر کبھی انکے دلوں میں یہ خیال گذرتا کہ آخر انہوں نے بھی مرنا ہے تو اسقدر لاپروائی اور غفلت کبھی نہ دکھاتے اور ایسی استہزا کبھی نہ کرتے۔ آہ! دل میں درد پیدا ہوتا ہے کہ کن لفظوں میں انہیں سمجھائیں کہ وہ خود اپنے لیے ہلاکت خرید رہے ہیں۔ اور امن اور سلامتی کی راہوں سے منہ پھیر رہے ہیں۔ کاش کوئی اہل دل ان میں سے ان واقعات پر غور کرے اور انکو سمجھاوے۔ منشی الٰہی بخش ایک شخص تھے جو ابتدا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کی تصدیق کرتے تھے اور الہاماً تصدیق کرتے تھے انکی مخالفت کی ابتدا یہ ہوئی کہ جب وہ غالباً ۱۸۹۸ء میں ایکدفعہ قادیان آئے تو حضرت مسیح موعودؑ نے انکو بیعت کے لیے کہا۔ اس موقعہ پر شیطان نے ان کے قدم کو پھسلا دیا۔ اور تعلی میں آکر انہوں نے کہا کہ میں کیوں بیعت کروں تم میری بیعت کرو کیونکہ خدا نے مجھے موسیٰ کر کے بھیجا ہے۔ پھر واپس جا کر یہ کہنا شروع کیا کہ مجھے الہام ہوتے ہیں کہ یہ شخص جھوٹا ہے اسپر حضرت مسیح موعودؑ نے انکو کہا کہ تم اپنے وہ الہام اگر شایع کر دو تو خدائے تعالیٰ مجھ میں اور تم میں فیصلہ کر دیگا۔ چنانچہ یہ الہامات انہوں نے ۱۹۰۰ء میں کتاب عصائے موسیٰ میں شایع کیے جن کا ماحصل یہ تھا کہ مصنف عصائے موسیٰ یعنی الٰہی بخش کو لمبی عمر دیجائیگی اور مرزا صاحب کو اور ان کے سلسلہ کو اس کے سامنے نیست و نابود کیا جاویگا۔ اور کہ الٰہی بخش نہیں مریگا جبتک وہ اپنی غرض کو جو اس سلسلہ کی تباہی ہے پورا نہ کرلے۔ چنانچہ بعض عبارتیں اور الہامات اسکی ذیل میں درج ہیں۔ صفحہ ۱۹ متع المسلمین بطول حیاتک و بطول بقاءک۔ ینفع اللہ المسلمین بطول حیاتک و بطول بقاءک۔ پھر صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے "کسی فرعون مجوزہ کے مقابلہ پر یا کسی اور دینی خصومت یا غیرت کے باعث اسم مبارک حضرت موسیٰ وغیرہ استعمال ہوئے ہیں جیسا کہ مثل مشہور ہے لکل فرعون موسیٰ"۔ اس عبارت میں اپنے آپ کو موسیٰ ٹھہرایا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نعوذ باللہ فرعون ٹھہرایا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ جسطرح موسیٰ کے سامنے فرعون مع اپنے لشکر کے تباہ ہوا تھا اور موسیٰ نے ایک سلسلہ قایم کیا تھا۔ اسی طرح میرے (الٰہی بخش کے) سامنے مرزا صاحب ہلاک ہونگے اور انکا سلسلہ نیست و نابود ہو جائیگا۔ اور میرا سلسلہ قایم ہوگا۔

چنانچہ اسی کو زیادہ وضاحت سے صفحہ ۶۸ پر لکھا ہے جہاں الہام لکھا ہے کہ ان نون انا اقل منک مالا و ولدا فعسی ربی ان یؤتین خیرا من جنتک ویرسل علیھا حسبانا من السماء فتصبح صعیدا زلقا۔ اور پھر اس الہام کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ضرور پورا ہو کر رہیگا۔ معنی اس الہام کے یہ ہیں کہ اگر مال اور اولاد کے اعتبار سے تو مجھ کو اپنے سے کم سمجھتا ہے تو قریب ہے کہ میرا پروردگار تیرے باغ سے بہتر باغ مجھ کو عطا فرمائے اور تیرے باغ پر آسمان سے کوئی ایسی بلا نازل کرے جو وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جاوے۔ اس الہام کو حضرت مسیح موعود پر اس طرح چسپاں کیا ہے کہ وہ ایک بڑے ہی سلسلہ کا فخر کرتے ہیں۔ اور پھر یہ پیشگوئی کی ہے کہ وہ مع اپنے سلسلہ کے نیست و نابود ہو جائیں گے اور الٰہی بخش ایک سلسلہ اس سے بھی بڑا قائم کریگا۔ اور پھر اسی صفحہ پر اپنے متعلق یہ الہام لکھا ہے کہ کرمنا بنی آدم یعنی الٰہی بخش دنیا میں ایک مکرم معظم انسان بنجائیگا اور حضرت مسیح موعود کے متعلق لکھا ہے جعلنہ کالہشیم اسکو خاکستر کی طرح کر دیا جائیگا۔ اب کوئی شخص خوف خدا کو دل میں لیکر بتائے کہ الٰہی بخش کے اس گمنامی میں جس میں وہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت تھا یا اس سے بھی زیادہ گمنامی میں اس شخص کی آنکھوں کے سامنے جسکی ہلاکت کی وہ پیشگوئیاں کرتا تھا طاعون کے ساتھ ہلاک ہو جانے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اور پھر یہ اکیلی مثال نہیں بلکہ جو شخص اس طرح یہ مقابل آیا اسی کو خدا نے ہلاک کیا۔ مگر مخالفت انسان کو ایسا نابینا کر دیتی ہے کہ وہ پچھلوں کی موت سے سبق حاصل نہیں کرتا بلکہ اور گستاخی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و اٰمنتم یعنی اگر تم شکر کرو اور اس کے نشانوں پر ایمان لے آؤ تو وہ تمہیں عذاب دیکر کیا کریگا۔ مگر افسوس ہے کہ یہ لوگ شکر اور ایمان کی راہوں کو چھوڑ کر خود ہی اپنے آپ کو اس کے عذاب کا مورد بنا رہے ہیں۔ اور نہ صرف الٰہی بخش کی پیشگوئیاں اسپر الٹی پڑیں۔ بلکہ حضرت مسیح موعود نے اسکی ہلاکت کی پیشگوئی کھلے الفاظ میں کی تھی۔ دیکھو اربعین نمبر ۴ صفحہ ۱۲ حاشیہ و دیگر مقامات۔ اس حاشیہ میں لکھا ہے "میں ہرگز یقین نہیں کرتا کہ میں اسوقت سے پہلے مروں جب تک کہ میرا قادر خدا ان جھوٹے الزاموں سے مجھے بری کر کے آپکا کاذب ہونا ثابت نہ کرے الا ان لعنت اللہ علی الکاذبین اسی کے متعلق قطعی اور یقینی طور پر مجھ کو ۱۱۔ دسمبر سنہ ۱۹۰۰ء روز پنجشنبہ کو یہ الہام ہوا۔ برمقام فلک شدہ یارب۔ گر امیدے دہم مدار عجب"۔ اب اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ آپنے اس کے متعلق یہ پیشگوئی کی ہے کہ تو تو مجھے مسرف و کذاب ٹھہرا کر (جیسا کہ اس نے لکھا تھا کہ مجھے مرزا صاحب کے متعلق الہام ہوا ہے ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب) یہ کہتا ہے کہ میں تیرے سامنے ہلاک کیا جاؤنگا اور تو ایک سلسلہ قایم کریگا۔ مگر میرا خدا مجھے یہ کہتا ہے کہ میں ہرگز نہ مرونگا جبتک کہ تیرا کاذب ہونا ثابت نہ ہو جائے یعنی تو میری آنکھوں کے سامنے نامرادی کے ساتھ ہلاک ہو کر میری صداقت کی شہادت نہ دیجائے۔ اور پھر لعنت کے ساتھ مباہلہ بھی کیا ہے یعنی خدائے تعالیٰ جھوٹے کو عذاب کے ساتھ ہلاک کرے سو طاعون کے ساتھ ہلاک ہو کر الٰہی بخش ایک شہادت دنیا کیلئے دے گیا ہے جسکی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سنے۔ یہ کسقدر صاف صاف اور کھلے کھلے نشان تھے کہ جو شخص اس طرح مقابل پر نکلا وہی ہلاکت کے گڑھے میں گرا۔ اور دنیا نے اس کے انجام کو دیکھ لیا ایسی ایک مثال بھی مامور من اللہ کی صداقت کی شہادت کیلئے کافی تھی مگر خدائے تعالیٰ نے اس زمانہ کی بے ایمانی اور قساوت قلبی کو دیکھ کر اسکی بہت سی مثالیں موجود کر دیں پر افسوس کہ ابھی لوگ توجہ نہیں کرتے۔ (۳) تیسرا نشان جو میں بیان کرنا چاہتا تھا وہ قادیان کے آریوں کی طاعون سے ہلاکت ہے جو انہی دنوں میں واقعہ ہوئی مگر چونکہ اس رسالہ

میں تحقیق یہی ہے کہ اس کی ابتدا ۱۵ ستمبر [illegible] [illegible]

ہُن اُسدا لیکھا خدا نال جا پیا اے (تشریح) یعنی عنقریب میرا دشمن ہلاک ہو جائیگا اور پھر اسکا خدا سے معاملہ پڑیگا ۲- میرے دشمن ہلاک ہو گئے۔ ۳- ان اللہ مع الابرار- یعنی آئندہ عنقریب ہلاک ہونگے۔ خدا نیکوں کے ساتھ ہے-
۴- کوئی درباری میرے حلقۂ اطاعت سے گذرنے نہ پائے کوئی درباری اس جرم پر سزا سے محفوظ نہیں رہیگا (تشریح) یعنی جو شخص خدا سے تعلق رکھنے والا ہے اسکا تعلق قایم نہیں رہ سکتا جبتک وہ مجھے قبول نہ کرے اور جو شخص اس حکم سے لاپرواہ ہے وہ سزا سے محفوظ نہیں رہیگا۔ ۵- سلطان عبد القادر (تشریح) اس الہام میں میرا نام سلطان عبد القادر رکھا گیا کیونکہ جسطرح سلطان دوسرے پر حکمران اور افسر ہوتا ہے اسی طرح مجھ کو تمام روحانی درباریوں پر افسری عطا کی گئی ہے یعنی جو لوگ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے ہیں انکا تعلق نہیں رہیگا جبتک وہ میری اطاعت نہ کریں اور میری اطاعت کا جوا اپنی گردن پر نہ اٹھائیں یہ اسی قسم کا فقرہ ہے جیسا کہ یہ فقرہ کہ قدمی ھٰذہ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ یہ فقرہ سید عبد القادر رضی اللہ عنہ کا ہے جسکے معنے ہیں کہ ہر ایک ولی کی گردن پر میرا قدم ہے۔ ۶- احل لہ الطیبات قل ما فعلت الا ما امرنی اللہ۔ (تشریح) اس سلطان عبد القادر کے لیے وہ تمام چیزیں حلال کی گئیں جو پاک ہیں کہ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جو خدا کے حکم کے برخلاف ہو بلکہ وہی کیا جو خدا نے مجھے فرمایا۔ پھر بعد اس کے کشفی رنگ میں وہ مقبرہ مجھے دکھلایا گیا جسکا نام خدا نے بہشتی مقبرہ رکھا ہے۔ اور پھر الہام ہوا کل مقابر الارض لا تقابل ھٰذہ الارض یعنی زمین ہند کے تمام قبرستان اس زمین کے مقابلہ نہیں کر سکتے یعنی اس زمین کو جو برکتیں دی گئیں وہ برکتیں تمام پنجاب اور ہندوستان میں کسی اور قبرستان کو نہیں دی گئیں ۞ پھر میں نے دیکھا کہ ایک راہ پر چل رہا ہوں اور میرے ساتھ میرا لڑکا مبارک احمد اور اس کی والدہ ہے اور مجھے خیال گذرتا ہے کہ مرزا غلام قادر مرحوم بھی (جو میرے بھائی ہیں) میرے ساتھ ہیں اور راہ میں اسقدر زنبور ہیں کہ ٹڈی دل کی طرح زمین پر پھیل رہے ہیں اور ایک میری ناف کے اندر بیٹھ گیا ہے اور پھر اڑ گیا مگر کسی نے ضرر نہیں پہنچایا اور پھر ہم سب ایک مسجد میں داخل ہو گئے ہیں اور مسجد میں بھی کروڑہا زنبور ہیں مگر ہم انکے شر سے محفوظ رہے ہیں۔ ۲۹- مارچ ۱۹۰۷ء ۱- اے ازلی ابدی خدا۔ مجھے زندگی کا شربت پلا۔ ۲- احق اللہ امری و لا تنفکا من ھٰذہ المرحلۃ- ترجمہ- خدا نے میری بات کو سچا کر دیا اور تم دونو اس مرحلہ سے نہیں چھوٹو گے۔ ۳- دولت اعلام بذریعہ الہام بہشتی کمرہ میں نزول ہوگا۔ ۴- ھل نرا ے جزاء الاحسان الا الاحسان (ترجمہ) نہیں دیکھتے ہم احسان کی جزا بجز احسان کے۔ یکم اپریل ۱۹۰۷ء لولا الاکرام لھلک المقام یا یہ کہا لولا خیر الانام لھلک المقام۔ ۳- اپریل ۱۹۰۷ء ۱- انی مع الرسول اقوم والوم من یلوم و اعطیک ما یدوم- ترجمہ- میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہونگا اور جو اسے ملامت کرتا ہے اسے ملامت کرونگا اور تجھے وہ چیز دونگا جو ہمیشہ رہے۔ ۴- اپریل ۱۹۰۷ء (۱) لا ئف آف پین- (۲) یا اللہ رحم کر (۳) انی مع اللہ فی کل حال- ترجمہ- میں ہر حال میں اللہ کے ساتھ ہوں-

(۴) اختر طنا سیفه ۔ ترجمہ ۔ ہم نے اسکی تلوار کو کھینچا ہے ۔ (۵) خدا کے سات نکو کار بندے ہر جگہ پر بیٹھے ہیں ۔
۵ ۔ اپریل ۱۹۰۷ء ؁ (۱) حٰم ۔ تلك آيات الكتاب المبين ۔ (۲) راز کھل گیا ۔ تفہیم ۔ وہ جو حٰم ہے اس میں خدا کے نوشتہ کے کئی نشان ہیں جو ظاہر ہونیوالے ہیں ۔ حٰم مقطعات میں کسی کا نام ہے ۔ یہی تفہیم ہے ۔
(۳) الذين اعتدوا منكم في السبت (یہ قوم مخالف کی طرف اشارہ ہے ساتھ کا فقرہ بھول گیا ہے واللہ اعلم) ترجمہ ۔ وہ لوگ جنہوں نے سبت کے معاملہ میں زیادتی کی ۔ ۶ ۔ اپریل ۱۹۰۷ء ؁ (۱) مُت ايها النخوان ترجمہ ۔ مر سالے بڑے خیانت کرنیوالے ۔ (۲) تمت كلمة الله ۔ ترجمہ ۔ پوری ہوئی اللہ کی بات ۔ (۳) ان الله مع الذين اتقوا ۔ ترجمہ ۔ اللہ تعالیٰ اُنکے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کریں ۔ (۴) الذين يذكرون الله قياماً وقعودا ۔ ترجمہ ۔ وہ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے ۔ (۵) رحم الله ۔ ترجمہ ۔ اللہ نے رحم کیا ۔ (۶) فضلناك على ما سواك ۔ ترجمہ ۔ تیرے سوائے جتنے ہیں ان سب پر ہم نے تجھے بزرگی دی ۔
۸ ۔ اپریل ۱۹۰۷ء ؁ (۱) والله انی غالب وسيظهر شوكتي ۔ وكل هالك الا من قعد في سفينتي اعن از ۔ ترجمہ ۔ بخدا میں غالب ہوں اور عنقریب میری شوکت ظاہر ہو جائیگی اور ہر ایک مریگا سوائے اُسکے جو میری کشتی میں بیٹھ گیا ۔ (۲) الہام کے الفاظ یاد نہیں رہے اور منعے یہ ہیں کہ فلاں کو پکڑو اور فلاں کو چھوڑ دو ۔ یہ فرشتوں کو حکم الٰہی ہے ۔ (۳) ایک اور قیامت برپا ہوئی ۔ ۹ ۔ اپریل ۱۹۰۷ء ؁ ۔ بلاد دمشق ۔ سرّك سرّي ۔ ترجمہ ۔ تیرا بھید میرا بھید ہے ۔ ۱۱ ۔ اپریل ۱۹۰۷ء ؁ ۔ دہلی میں واصل جہنم واصل خاں فوت ہو گیا چونکہ واصل خاں دہلی کا تو فوت ہو چکا ہے تفہیم یہ تھی کہ اس کے عزیزوں میں سے کوئی طاعون سے مر جائیگا کیونکہ جہنم کا لفظ اور الہامات میں بھی طاعون کیلئے استعمال ہوا ہے ۔